مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماھنامہ ربوہ

انصار اللہ

ایڈیٹر
غلام باری سیف

مارچ، اپریل
۱۹۸۵ء

منظوم فارسی کلام حضرت اقدس

در دلم جوشد ثنائے سرورے

(میرے دل میں سرورِ کونینؐ کی تعریف جوش مار رہی ہے)

در دلم جوشد ثنائے سرورے — **آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے**
میرے دِل میں اُس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے — جو خوبی میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل — **آنکہ رُوحش واصلِ آں دِلبرے**
وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے — وہ جس کی رُوح اس دِلبر میں واصل ہے

آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است — **ہمچو طفلے پروریدہ دربرے**
وہ جو خدا کی مہربانیوں سے اس کی طرف کھینچا گیا ہے — جس نے ایک بچہ کی طرح خدا کی گود میں پرورش پائی ہے

آنکہ در برّ و کرم بحرِ عظیم — **آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے**
وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحرِ عظیم ہے — اور کمالِ لطف میں ایک نایاب موتی ہے

آنکہ در جُود و سخا ابرِ بہار — **آنکہ در فیض و عطا یک خاورے**
جو کہ بخشش اور سخاوت میں ابرِ بہار ہے — اور فیض و عطا میں ایک سُورج ہے

آں رحیم و رحمِ حق را آیتے — **آں کریم و جُودِ حق را مظہرے**
وہ رحیم ہے اور رحمتِ حق کا نشان ہے — وہ کریم ہے اور بخششِ خداوندی کا مظہر ہے

آں رُخِ فرّخ کہ یک دیدارِ اُو — **زشت رُو را میکند خوش منظرے**
وہ مبارک چہرہ جس کا ایک دیدار — بدصورت کو خُوب رُو بنا دیتا ہے

احمدِ آخر زماں کز نُورِ اُو — **شُد دلِ مردم زخور تاباں ترے**
اسی احمدِ آخر زماں کے نُور سے — لوگوں کے دِل آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئے

کتاب "بین یدی عمرؓ"
کے چھٹے باب کا ترجمہ

اپنے ساتھی کو لڑکے کی خوشخبری دیجئے

(امِّ کلثوم)

(مترجم غلام باری سیف)

جب یہ صحیح، قوی فطرت، اللہ پر پختہ ایمان اور زندگی کی مسئولیت کی کامل امانت کا بار روشن اور وسیع ذہانت کے ساتھ اکٹھا ہو جائے تو کونسی عظمت اور عزت باقی رہ جاتی ہے؟ اُس وقت انسانی کمال ایک عظیم انسان کی تخلیق کرتا ہے۔

اس انصاف، تقویٰ، پرہیزگاری، فرائض کی ادائیگی کا اِنہماک، صراطِ مستقیم پر استقامت اور ذہانت کو کوئی دھوکے باز دھوکا نہیں دے سکتا۔

اِن اعلیٰ اَوصاف سے عمرؓ نے صرف حصہ ہی نہیں پایا تھا یہ اَوصاف تو عمرؓ کی ذات میں اپنے عروج کو پہنچے تھے۔

ہاں۔ہاں۔ انسانی کمال نے جب کسی مادی محسوس جسم میں متحقق ہونا چاہا تو وہ ایک نادر، ممتاز بشر میں متمثل ہوئی اور اس کا ایک اعلیٰ نمونہ یقیناً عمرؓ بن خطاب تھے۔ ہم نے جیسا کہ مطالعہ کیا ایک عظیم شخص تھا۔ خود عظمت کو تمنّا تھی کہ وہ اِس شخص کی صفت اور علامت ہو۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے جو تصویر کشی کی ہے اُس کے خدوخال ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ دلوں کو موہ لینے والے کچھ نقوش ابھی باقی ہیں اور باقی رہیں گے۔ درست ہے کہ گزشتہ خدوخال میں وہ تصویر صاف نظر آرہی ہے لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم نے موضوع کو مختلف حصوں میں اِس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ ہم صحیح طور پر اِسے سمجھ سکیں اور اِس بلند و بالا عظمت کو دھیرے دھیرے جھانک سکیں۔ یہ خدّوخال جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں یہ ہمیشہ ہمیں اپنی طرف جذب کرتے اور بلاتے رہیں گے۔

وہ عظیم انسان جسے اللہ نے کسریٰ و قیصر کی سلطنت کا وارث کیا۔ وہ شخص جس کے ساتھی اُس کے تبسّم کا اِس طرح انتظار کرتے تھے جیسے پہلی رات کے چاند کا۔ کیونکہ خدا کے خوف، اُس کے وقار اور مسئولیت کے خوف سے اُس کے لب بند رہتے۔ ہاں ہاں وہ شخص جو دُنیا کی قیادت کے لئے ...

موت تھی۔ جسے کام اور صرف کام سے غرض تھی۔

اس بلند و بالا، خوش نوا، اور متحرک انسان کی زندگی کی روش۔ اس کی مسئولیت، فطرت، قویٰ اور عاجزی کے تحت کیسی تھی۔

کیا مَیں آپ کے اِن اَوصاف کو بیان کر سکا ہوں۔ ان کی وضاحت کر سکا ہوں؟ لیڈرشپ کے غلبہ اور رعب و داب کے قیام کے لئے کیا کیا تحفّظ اور کبر اختیار کیا جاتا ہے۔ کیا عمرؓ نے بھی ایسا کیا؟ یا اس کی مثالی قیادت امامت اور ہیبت کا کوئی الگ بدل تھا۔

ہاں ہاں عمرؓ کے مناسب اور بے بدل تھا۔ اور یہ وہی اختیار کر سکتا ہے جو عمرؓ کا نمونہ ہو اور وہ تھی سادگی.....

لیکن عمرؓ کی سادگی کے متعلق یہ زیادتی ہو گی اگر ہم یہ کہیں کہ وہ مستعار تھی۔ عمرؓ کے اَخلاق اور اَوصاف میں کوئی چیز مستعار نہ تھی۔ حق یہ ہے کہ عمرؓ کی ذات ہر خُلق اور وصف کا مسکن اور جوہر تھی۔

ہاں ہاں۔ شجاعت، انصاف، تقویٰ اور استقامت یہ سب انسانی اخلاق ہیں اور یہ مختلف اِنسانوں میں علیٰ قدرِ مراتب پائے جاتے ہیں۔ لیکن عمرؓ کی شجاعت، انصاف، تقویٰ، اور استقامت تو خود عُمرؓ کی ذات سے پھوٹتی تھی اور اس سے ہی خاص تھی۔ اگر عمرؓ نہ ہوتے تو یہ اَوصاف بھی نہ ہوتے۔

عمرؓ کے ممتاز اَوصاف نے اعانتِ عمر سے ایک ایسے ممتاز یگانہ دَور کی تخلیق کی کہ معلوم ہوتا ہے یہ اَوصاف کسی یکتائے زمانہ جوہر کے ہیں اور وہ جوہر عمرؓ کی اپنی ذات تھی۔

اور یہی انسان کی عظمت ہے کہ اُس نے فضیلت سے کوئی نشان یا علامت نہیں لی بلکہ فضیلت کو اپنا نشان اور علامت عطا کی۔

یہی وجہ ہے کہ فضائل عمرؓ کی ذات اور روش میں آپ کی ذات کی طرح مزیّن ہیں۔ سارے کے سارے فضائل عمرؓ کی ذات میں اپنے کمال کو پہنچ گئے اور ایک ہو گئے۔

اور جب ہم تجزیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں عمرؓ کا انصاف، عمرؓ کا تقویٰ، عمرؓ کی امانت، عمرؓ کی ذہانت، عمرؓ کی قوّت تو ہم اپنے آپ کو سکھانے اور سمجھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

ہاں ہاں ہم یہ تقسیم اِس لئے کرتے ہیں تاکہ بالاستیعاب اس کا اندازہ کر سکیں اور ہمارے سامنے جو مواد ہے اس کی پورے طور پر تحصیل کر سکیں۔

جہاں تک امیرالمؤمنین کے فضائل کا تعلق ہے جس طرح تقسیم کے ترازو میں اُنہیں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ عمل کے میدان میں بھی ان کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ فضائل ایسے تمغے نہیں جو اِس

صاحبِ فضیلت شخص کے سینہ پر آویزاں ہیں۔ یہ فضائل تو خود آپ کی ذات ہے۔ اسی سے یہ فضائل پھوٹتے ہیں اور اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور یہ ہے ـــــ عمرؓ۔

جس آدمی کی یہ حالت ہے وہ عظمت اور امتیاز سے اس حد تک اور اس طرح بھرا ہوا ہے کہ وہ امتیاز اس کو پھسلا نہیں سکتا۔ اُس کو راحت و آرام پہ مائل نہیں کر سکتا۔ اُس کو اپنی انتہائی سادگی اور اس زندگی پر رشک ہے جو لوگوں کے درمیان ہو نہ کہ اُن سے بالا۔

آپ مجلس میں وہیں بیٹھ جاتے جہاں جگہ میسّر آئے آپ کے لئے کوئی خاص شہ نشین مختص نہیں جہاں نیند آجائے سو جاتے ہیں۔ گھر میں چٹائی پر یا کھجوروں کے جھنڈ میں ریت پر ـــــ جو میسّر ہو وہی کھا لیتے ہیں۔ خشک گوشت کا کوئی ٹکڑہ یا روٹی جس پر روغن زیتون اور نمک لگا ہو اور اتنا جس سے کمر سیدھی رہ سکے۔

جب کوئی عورت یا غلام ـــــ اے عمر! کہہ کر آپ کو پکارتا ہے تو آپ اسے سعادت سمجھتے ہیں۔ اور اُس وقت بھی آپ کو سعادت حاصل تھی جب کسی نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ٹوکری اُٹھائے چلی جا رہی ہے ٹوکری بوجھل ہے۔ عمرؓ آگے بڑھتے ہیں اور ٹوکری اُٹھا کر عورت کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ جب عورت شکریہ ادا کرتی ہوئی یہ کہتی ہے

"اے بیٹے اللہ تجھے بہتر جزاء عطا فرمائے۔ عمرؓ سے زیادہ تُو خلافت کا مستحق ہے۔"

تو آپ مسکرا دیتے ہیں۔

ایک رات جب لوگ محوِ خواب ہیں آپؓ حسبِ معمول گھوم پھر کر مُبتلائے آلام لوگوں کی ٹوہ لگا رہے ہیں۔

مدینہ کے ماحول میں آپ نے دیکھا ایک جھونپڑی سے عورت کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ آپ قریب ہوئے تو دیکھا جھونپڑے کے دروازہ پر ایک مرد بیٹھا ہے پوچھا تو معلوم ہؤا عورت اس کی بیوی ہے جو دردِ زِہ میں مبتلا ہے۔ یہ لوگ باہر سے آئے ہیں یہاں انہوں نے ڈیرہ ڈالا ہے کوئی ان کا مددگار نہیں۔

عمرؓ فوراً گھر آئے اپنی بیوی حضرت علیؓ کی بیٹی اُمِّ کلثومؓ سے کہا:

اگر اللہ تجھے کوئی ثواب کا موقع مہیّا فرمائے تو تیار ہو؟ بیوی نے پوچھا خیر تو ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ایک مسافر عورت دردِ زِہ میں مبتلا ہے کوئی ان کے پاس نہیں۔

بیوی نے جواب دیا۔ اگر آپ کہیں تو مَیں حاضر ہوں۔

حضرت عمرؓ اُٹھے۔ کچھ ضروری چیزیں ساتھ لے لی گئیں۔ بچّے کو لپیٹنے کے لئے کپڑے جن کی ضرورت تھی ساتھ

لئے۔ ایک کندھے پر ہنڈیا رکھی دوسرے پر آٹا۔ بیوی سے کہا تم میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔ دونوں میاں بیوی اُس جھونپڑی پر پہنچے۔ امیرالمؤمنین کی بیوی اُمِ کلثومؓ عورت کی مدد کے لئے اندر چلی جاتی ہیں۔

امیرالمؤمنین جھونپڑی کے باہر چند پتھر رکھ کر چولہا بناتے ہیں اُس پر ہنڈیا رکھ دیتے ہیں۔ نیچے آگ جلاتے ہیں اور کھانا تیار کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ اجنبی شخص شاکرانہ نگاہوں سے دیکھتا ہے ...... اور شاید اپنے نفس سے کہہ رہا ہے یہ شریف عرب خلافت کا عمرؓ سے زیادہ مستحق ہے۔ اچانک جھونپڑی سے بچّے کے رونے کی آواز آئی جو اُسی وقت اِس دُنیا میں آیا تھا۔ ساتھ ہی اُمِ کلثومؓ نے بلند آواز سے کہا:

امیرالمؤمنین! اپنے ساتھی کو بچّے کی خوشخبری دیجئے۔

اُس اعرابی نے یہ سُنا تو دہشت سے رنگ فق ہوگیا۔ وہ قدرے پیچھے سرکا منہ سے دو کلمے کہنا چاہا —— امیرالمؤمنین —— لیکن اچانک یہ سعادت اور عجیب و غریب ماجرا دیکھا تو زبان سے وہ الفاظ ادا نہ ہوسکے۔

حضرت عمرؓ نے یہ کیفیت ملاحظہ کی تو آدمی کو اشارہ سے بیٹھے رہنے کے لئے کہا۔

اب عمرؓ ہنڈیا چولہے سے اُتارتے ہیں۔ جھونپڑی کے قریب جاکر اپنی بیوی کو کہتے ہیں:

اُمِ کلثوم! یہ ہنڈیا لے لو بچّے کی والدہ کو پیٹ بھر کر کھلاؤ۔

اُمِ کلثومؓ زچہ کو کھانا کھلا کر ہنڈیا عمرؓ کی طرف بڑھا دیتی ہیں اور عمرؓ ہنڈیا اُس مسافر کے سامنے رکھ کر فرماتے ہیں:

کھا —— سیر ہو کر کھا۔ تُو رات بھر جاگتا رہا ہے۔ بہت تکلیف اُٹھائی ہے۔

پھر عمرؓ اپنی بیوی کو لے کر واپس ہوتے ہیں۔ اُس اجنبی مسافر کو مخاطب ہو کر فرمایا:

صبح مدینہ آنا۔ بیت المال سے تمہاری ضروریات اور بچّہ کا حق دلواؤں گا۔

اللہ عمرؓ سے راضی ہو۔ خدا کے رسولؐ نے جو فرمایا تھا وہ سچ تھا:

(مَیں نے کوئی جوانمرد عمرؓ کی طرح جوش اور تیزی سے کام کرتے نہیں دیکھا)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کشف کا حصہ ہے آپؐ نے دیکھا کہ کنوئیں سے ابوبکرؓ ڈول کھینچ رہے ہیں لیکن کچھ ضعف کی حالت ہے۔ پھر جب عمرؓ نے پانی نکالنا چاہا تو آپ اتنی تیزی سے پانی نکال رہے ہیں کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ مَیں نے کوئی جوانمرد عمرؓ کی طرح جوش اور تیزی سے کام کرتے نہیں دیکھا۔

عمرؓ نے اپنی جودت ذہانت سے سعادت اور عظمت کی حقیقت جان لی تھی اور اِس سے پُورا پُورا حصّہ لیا۔ سُنو سُنو! عمرؓ کے خدا کی قسم۔ اِس قسم کا ایک واقعہ دُنیا و مافیہا، تختوں اور تاجوں، زخرفات اور بڑائیوں

سے بہتر اور بھلا ہے۔

کیا عاجزی، کیا سادگی، کیا شفقت اور محبّت اِس انسان کی ذات سے بہہ رہی ہے جس کے ذریعہ خدا نے زندگی کی قدر و قیمت کو بلند کیا۔

کہاں ہیں بادشاہ کے مظاہر۔ جائز اور ضروری مظاہر؟

لیکن عمرؓ تو عام بادشاہ سے بالا تھے۔ آپ نے عظمت کسی ایسی جگہ سے مستعار نہ لی تھی جو آپ کی ذات سے باہر ہو۔ آپ تو ہر اُس شخص کو جو آپ کے قریب ہوا اور آپ سے ملے عظمت عطا کرتے تھے۔

آپ سادگی تکلّف سے نہ کرتے تھے۔ آپ کی سادگی تو طبعی تھی۔ ہر چھوٹے بڑے کے لئے آپ دیدہ و دِل فرشِ راہ کرتے۔

ایک روز آپ مدینہ کے چند بچّوں کے پاس سے گذرے۔ وہ کھجوروں کے میدان سے کھجوریں چُن رہے تھے۔ جونہی بچّوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا وہ منتشر ہو گئے اور دُور چلے گئے۔ ایک بچّہ وہیں رہا۔ عمرؓ قریب آئے تو اُس بچّے نے جلدی سے کہا:

امیرالمؤمنین! یہ کچّی کھجوریں ہَوا چلنے سے گری ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یہ کھجوریں دکھاؤ اگر ہَوا سے گری ہوں گی تو مجھے پتہ چل جائے گا۔

آپ نے کھجوروں کو غور سے دیکھا اور بچّے سے کہا تُو نے سچ کہا ہے۔

بچّے نے یہ سُنا تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔

پھر کہا۔ یہ بچّے جو آپ کو دیکھ کر تتر بتر ہو گئے انہوں نے مجھ سے یہ کھجوریں زبردستی چھین لینا تھیں۔

حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو مُسکرائے۔ بچّے کے کندھے پر تھپکی دی اور فرمایا فکر نہ کر مَیں تجھے تیرے گھر پہنچا کر آؤں گا۔ چنانچہ آپ نے بچّے کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے اُس کے گھر کے قریب چھوڑ آئے۔

کیا آپ کی سادگی کا چشمہ آپ کی مسئولیت تھی یا ہر امتیازی وصف کا چشمہ آپ کی عظیم ذات تھی؟

سُنو! جو وہ منظر دیکھنا چاہتا ہے جس سے آنکھیں مسرت محسوس کریں اور دل فرحاں ہوں۔ جو انسانی عظمت کو راستی اور دانشمندی کی اَوج پر دیکھنا چاہتا ہے وہ اس بلند قامت انسان کو دیکھے۔ بے بال کی کھوپری، کھلے قدموں والا۔ جس نے اکیس پیوند والی چادر پہنی ہے۔ جس کے بائیں ہاتھ میں دوات اور دائیں میں کاغذ اور قلم ہے۔ وہ ڈاک روانہ ہونے والی ہے۔ وہ گھروں کے دروازے کھٹکھٹا رہا ہے تا عورتیں جن کے خاوند میدانِ جہاد میں مصروف ہیں دروازے کی اوٹ میں بیٹھ کر انہیں خط لکھوالیں۔ وہ امیرالمؤمنین عمرؓ —— جو وسیع و عریض

دُنیا کا فاتح ہے —— روم اور فارس کی دُنیا کا۔ وہ ان عورتوں کے دروازے کھٹکھٹا رہا ہے جن کے خاوند گھر پر نہیں ہیں۔

اپنی ضروریات مجھے بتاؤ یا بازار کا کوئی کام ہو تو کہو یا خادم موجود ہے تو میرے ساتھ بھیجو۔ مجھے ڈر ہے کہ خرید و فروخت میں کوئی تمہیں دھوکا نہ دے۔

اور پھر وہ خدام کی ایک لمبی قطار کے ساتھ بازار کو جاتا ہے۔ خود اُن کی ضروریات کی چیزیں خریدتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ان کی ٹوکریوں میں رکھتے جاتے ہیں۔

کیا یہ درست ہے کہ اِس انسان نے سطح زمین پر ایک دن بھی امیرالمؤمنین کی حیثیت سے گذارا۔ وہ تو سادگی، عدل اور عاجزی سے زندگی بسر کرتے تھے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ وہ آدمی جس کا نام عمرؓ ہے مسلمانوں کا خلیفہ اور امام ہے۔ اللہ نے اسے ایسی فتحِ مبین عطا فرمائی کہ دُنیا کے بادشاہ اس سے ہیبت کھاتے تھے اور بڑے بڑے سرکش اُس کے قدموں میں تھے۔ مال اور خزانے اس کے دَور میں نہروں کی طرح بہتے تھے۔ عراق کا وفد ایک روز احنف بن قیس کی معیت میں اُن کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ سخت گرمی کا موسم، شدید حبس۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ عمرؓ بیت المال کے ایک اُونٹ کو تارکول مل رہے ہیں۔ اُونٹ کی خارش کا علاج عرب اس طرح کرتے تھے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دوسرے اُونٹ اسے اپنے قریب نہ آنے دیتے ورنہ وہ رگڑ رگڑ کر انہیں بھی خارش کر دے۔ آپ کی نظر احنف بن قیس پر پڑی تو فرمایا

احنف کپڑے اُتارو اور آؤ بیت المال کے اُونٹ کو تارکول ملنے میں میری اعانت کرو کہ اس میں مسکینوں اور یتیموں کا بھی حق ہے۔ وفد یہ نظارہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اُن میں سے ایک آدمی نے کہا:

"امیرالمؤمنین اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ صدقہ کے کسی غلام سے یہ خدمت کیوں نہ لی۔"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا "مجھ سے اور احنف بن قیس سے بڑا غلام کون ہے۔"

اور آپ پھر اُونٹ کے علاج میں مصروف ہو گئے۔

کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

بشریت کی خوش نصیبی ہے کہ یہ واقعہ درست ہے اور عمرؓ میں انسانیت کا رواں چشمہ تھا۔ جس چشمہ میں رشک، عظمت اور امید ہے جو کبھی خشک نہ ہوتا۔

اور بشریت کی خوش نصیبی ہے کہ ان میں سے ایک عمرؓ تھے۔ تو جن انسانی کمالات کا طالب ہے وہ سب اُس میں موجود تھے اور یہ خدائی موہبت تھی جو آپ میں بار آور ہوتی۔ جس کے نتیجہ میں عظمت اور کمال جنم لیتی۔

عمرؓ کی سادگی اُس شخص کی حماقت کو بھی واضح کر دیتی ہے جو کسی منصب کے ملنے، دولت کی عطاء اور فتح کے

حاصل ہونے پر کبر و غرور میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ کبر و غرور اور تکلّف فریب خوردہ لوگوں کے کندھوں پر ایک بوجھ ہی ہے جس کے عذاب کی آگ وہ تاپ رہے ہیں لیکن محسوس نہیں کرتے۔

حقیقی سادگی جس میں عمرؓ نے زندگی بسر کی وہی حقیقی سعادت ہے ایسی سعادت جس میں نفس اپنے جوہر کی طرف عَود کرتا ہے اور ہر فریب و غرور سے بالا ہوتا ہے۔

عمرؓ کا ربّ پاک ہے۔ اُس نے رُشد و ہدایت عمرؓ کو خود الہام کی۔ نفس کے ہر شرّ سے بچایا اور ایسا ذاتی جلال اور استقامت عطا فرمائی جس نے آپ کو بے مثل بنا دیا۔ صرف اپنے ملک میں اور اُس زمانہ میں نہیں بلکہ تمام زمان و مکان میں بے مثل بنا دیا۔

ہم جہاں بھی آپ کو ملتے ہیں ہم آپ کی رُوح کی شجاعت، سادگی، اخلاص و وفا کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اللہ نے اِس شخص کو اس کا کتنا حصّہ وافر عطا فرمایا۔ کتنا اطمینان و سکون، امانت اور سادگی ہے۔ حالانکہ اب آپ کا لشکر لاکھوں سے متجاوز ہے۔ مدینہ کے میدانوں میں اموال کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ دُور و نزدیک ممالک سے امن کے متلاشی وفود چلے آ رہے ہیں۔ روم اور فارس کے ظلموں سے نجات ملنے پر ان لوگوں کے دلوں میں آپ کے لئے بے پناہ عقیدت ہے۔

یہ سب امور تکبّر پر اُکسانے والے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی ترغیب دلانے والے ہیں لیکن یہاں کبر و علوّ کا گذر نہیں بلکہ اس کے برعکس ایسی بلند چوٹیاں نظر آتی ہیں جن سے اُفق بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اور وہ ہیں زہد، عدل، تقویٰ، سادگی اور عاجزی و فروتنی کی چوٹیاں۔ اور یہ وہ بلند و بالا محل ہیں جنہیں انسان اپنے ذاتی فضائل، رُوح کی شجاعت اور کردار کی مضبوطی سے تعمیر کرتا ہے۔

دیکھئے!

عمرؓ شام کی سرزمین کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اہلِ شام آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے ہیں۔ وہ کیا دیکھتے ہیں ایک شخص کجاوے کے دونوں طرف رکاب کے بغیر پاؤں لٹکائے سخت اُون کے نمدے پر اُونٹ پر سوار ہے۔ سُوتی قمیص زیب تن ہے جس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔

لوگوں نے سوار سے پوچھا: امیرالمؤمنین کہاں ہیں؟

کیا راستہ میں اُس کی سواری نہیں دیکھی؟

اس سوار نے جواب دیا: امیرالمؤمنین تمہارے آگے ہیں۔ وہ لوگ تیزی سے آگے روانہ ہو گئے تھوڑی دیر بعد پیچھے سے اُنہیں اطلاع ملی کہ امیرالمؤمنین ایلہ پہنچ گئے ہیں اور وہاں آپ نے قیام کیا ہے۔ وہ دوڑتے ہوئے واپس آئے۔

اُس مجلس میں پہنچے جہاں امیرالمؤمنین تشریف فرما تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ امیرالمؤمنین وہی شخص ہے جو انہیں راستہ میں ملا تھا جس سے انہوں نے امیرالمؤمنین کا پوچھا تھا اور اُس نے کہا تھا "وہ تمہارے آگے ہے"۔

آپ کی خدمت میں ایک فربہ خوبصورت گھوڑا پیش کیا گیا جس پر خوبصورت زین اور خوبصورت نمدہ تھا۔ عمرؓ نے اُس پر سواری کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا: اِس شیطان کو مجھ سے پرے لے جاؤ۔

جب عرض کیا اِس علاقہ میں اُونٹ پر نہیں گھوڑے پر سواری کی جاتی ہے تو آپ نے ایسا ٹٹو منگوایا جس پر کوئی زیب و زینت نہ تھی۔ خوبصورت کاٹھی اور حسین نمدہ کی بجائے وہی اُونی چادر ڈال لی جسے آپ رات کو سونے کے لئے بچھونا بناتے۔

جب آپ نے شام کی طرف پہلی بار سفر فرمایا تو قدس شہر کے دروازوں پر لشکر کے قائدین اور آپ کے نامزد امراء نے آپ کا اِستقبال کیا جو ریشمی لباس پہنے عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے۔

عمرؓ نے یہ منظر دیکھا تو جلدی سے اپنی سواری سے اُترے مٹی اور کنکریوں سے اوک بھری اور ان قائدین اور امراء پر پھینکی۔ فرمایا:

اِتنی جلدی تم فتنہ میں پڑ گئے۔ اِس لباس میں عمرؓ کا اِستقبال کرتے ہو شکم سیری اور آسائش اِتنی جلدی تم پر حملہ آور ہو گئی۔

یہ وہ شخص ہے کہ سادگی اور فروتنی اِس کی خواہش نہیں بلکہ دین، فطرت اور امانت تھی۔

ایک رات مدینہ کی گلیوں میں آپ نے دیکھا ایک عورت بہت بڑا مشکیزہ اُٹھائے جا رہی ہے قریب ہوئے تو آپ نے اُس عورت سے اس کا سبب پُوچھا۔ اُس نے کہا مَیں بچّوں والی ہوں کوئی خادم بھی نہیں مَیں اندھیرے کا اِنتظار کرتی ہوں جب اندھیرا چھا جائے مَیں بچّوں کے لئے پانی کے لئے نکلتی ہوں۔ آپ نے وہ مشکیزہ اُٹھایا۔ عورت کو علم نہ تھا کہ یہ شخص کون ہے۔ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت عمرؓ نے مشکیزہ اُسے دیدیا اور کہا:

کل صبح عمرؓ کے پاس جانا وہ تمہارے لئے کسی خادم کا اِنتظام کر دے گا۔

عورت نے کہا عمرؓ کے بہت کام ہیں مَیں اُسے کہاں ڈھونڈوں۔

فرمایا: تم ضرور جانا اِنشاء اللہ وہ تمہیں مل جائے گا۔

عورت نے اِس بھلے آدمی کے مشورہ پر عمل کیا۔ وہ عمرؓ کے پاس پہنچی تو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ بولی "وہ تُو تھا"۔

امیر المؤمنین نے تبسم فرمایا اور عورت کو خادم اور خرچ دینے کا حکم دیا۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عمرؓ کو اختیار دیا جاتا کہ اِس سچی سادگی اور زینت و زخرفات سے پُر دُنیا میں سے ایک کو اختیار کر لو تو عاجزی اور سادگی کی نعمت پر آپ کسی اور شے کو ترجیح نہ دیتے۔

یہ وہ شخص ہے جس نے بہت ممتاز زندگی بسر کی۔ اُس کے کارنامے ہیں مسلسل فتوحات اور سعادت۔ عکاظ کے میلہ میں یہ نوجوان کُشتی لڑتا تو نوجوانوں پر غالب آتا اور فتح پاتا۔

مسلمان ہوئے تو آپ کا اسلام فتح تھی۔ ہجرت کی تو آپ کی ہجرت اعانت تھی۔

امیر المؤمنین ہوئے تو آپ کی ضربات سے قدیم دُنیا کے ستون زمین بوس ہوئے۔

یہ عظیم شخص۔ دائمی مصروف، کامیاب زندگی کا مالک۔ اِس کی دل لبھانے والی، خوبصورت، باقی رہنے والی فتوحات، آپ کا پاکیزہ تقویٰ اور پرہیزگاری تھی جو آپ نے ساری دُنیا کو عطا کی خاص طور پر حکّام کی دُنیا کو۔ یہ وہ نمونہ ہے جو مرورِ زمانہ سے نہ آج بوسیدہ ہے نہ آئندہ ہوگا۔

بادشاہت مجسّم ہوئی۔ دُنیا آپ کی دہلیز پر مغانم اور لذّات لے کر گھٹنوں کے بَل بیٹھی۔ لیکن آپ نے اسے بڑی عمدگی سے رخصت کیا۔ اُسے لوگوں کی طرف روانہ کیا۔ دُنیا کی لذّات لوگوں میں بکھیر دیں۔ اُس کی لغزشوں اور گمراہیوں سے اُنہیں بچایا۔ خود ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اور اپنے اُسی سفر اور روش کو جاری رکھا۔ دوپہر کی گرمی میں اُونٹ کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہ مبادا یہ ضائع ہو جائے۔ یا کندھے پر دردِ زہ میں مُبتلا عورت کے لئے کھانے کی ہنڈیا اُٹھائے ہوئے۔ یا ریت کے اُوپر یا کھجوروں کے سایہ میں مدینہ آنیوالے وفود کا اِستقبال کرتے ہوئے۔ تاکہ اُمت اور سلطنت کو جدید دُنیا میں جسے عمرؓ تعمیر کر رہے ہیں بلند مرتبہ حاصل ہو یا منبر پر چڑھ کر اکیس پیوند والی چادر پہنے مسلمانوں کو اللہ کے فضل یاد کرا رہے ہیں۔

کیا اِس کے بعد کہنے کو کچھ باقی ہے۔

مَیں خدا سے مغفرت کا طالب ہوں۔ کیا ہم نے بہت کچھ کہہ لیا ہے۔ اتنا زیادہ جتنا ممکن تھا۔

سُنو! یہ مفید ثمر بار لمحات جو ہم نے عمرؓ کے ساتھ گذارے ہمارے لئے کافی ہیں۔ ہم نے اِس تھوڑے سے وقت میں۔ دمِ واپسیں سے قبل جو خوش کُن قدم اُس شخص کے قدموں پر رکھے جو زمانوں سے سبقت لے گیا اُسی پر قناعت کرتے ہیں۔

اگر ہم اپنی سعی اور جدّوجہد کو انتہاء تک پہنچا دیں تو بھی ہم عمرؓ کی سیرت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ ہم اِس مضمون کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اِس قول پر ختم کرتے ہیں: "اللہ نے ابنِ خطابؓ کو کیا خوبیوں سے نوازا تھا۔ کیا آدمی تھے وہ"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے مثال شفقت

(مکرم فضل الرحمٰن صاحب بسمل)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء آیت ۴)

یعنی شاید تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے گا کہ وہ کیوں نہیں مومن ہوتے۔

اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے مثال شفقت اور محبت کا ذکر کیا گیا ہے جو آپؐ کو بنی نوع انسان سے تھی اور بتایا گیا ہے کہ آپؐ ان کی ہدایت کے لئے رات اور دن اس قدر جدّ و جہد فرماتے تھے اور اتنی دعائیں کرتے تھے کہ قریب تھا آپ اپنی جان قربان کر دیتے۔ آپ کو نہ کھانے کی پرواہ تھی نہ پینے کی۔ نہ ہی نیند اور آرام کی پرواہ تھی۔ آپ لوگوں کو ہلاکت کے گڑھے سے بچانے اور انہیں نجات اور سلامتی کی راہ دکھانے کے لئے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری کرتے اور اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امتیازی خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے اس میں مومنوں کے لئے بھاری سبق ہے اور انہیں توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو اپنی قربانیوں کو اس حد تک پہنچاؤ کہ دشمن کی نظر میں تو وہ صریح خودکشی ہو مگر تم جانتے کہ وہ خودکشی نہیں بلکہ اسی میں تمہاری ابدی حیات کا راز مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مومن جماعت کے سپرد ہمیشہ ایسے کام کرتا ہے جنہیں لوگ خودکشی سمجھتے ہیں۔ ان جماعتوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں اپنے اموال اپنی عزّت و آبرو غرض سب کچھ قربان کر دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

(تفسیر فرمودہ حضرت فضلِ عمر)

○

حضرت سلمان فارسیؓ کا قبولیتِ اسلام

خالد رشید رانا کولون۔ مغربی جرمنی

جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کو جُوں جُوں ترقی ہو رہی تھی مخالفین کی آتشِ حسد و بُغض بڑھتی جا رہی تھی۔ انہیں اب نظر آ رہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مقبول ہو رہا ہے اور لوگ شرک و بُت پرستی سے بیزار ہو رہے ہیں۔ انہوں نے جنگِ اُحد کے ٹھیک دو سال بعد یعنی شوال ۵ھ ہجری کو یہود کو ساتھ ملایا اور اِسلام دشمن قوتوں کو یکجا کر کے تقریباً چوبیس ہزار کا لشکرِ جرّار جمع کیا اور اس لشکر کا امیر ابوسفیان مقرر ہوُا اور اس کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف اِس نیّت سے بڑھے کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر واپس ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اِس کا عِلم ہوُا تو آپؐ نے اپنے جاں نثار صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ ہمارے ہاں ایسی صورت میں شہر کے گرد اس کی حفاظت کے لئے خندق کھودلی جاتی ہے تا دشمن ریلے کی صورت میں حملہ نہ کر پائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلمان فارسیؓ کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی اور یہ جنگ جو جنگِ احزاب کے نام سے موسوم ہے جنگِ خندق بھی کہلائی۔ صحابہؓ نے جب ایک دفعہ ''آخرین'' کے بارہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپؐ نے اسی جاں نثار صحابیؓ کے کندھا پر ہاتھ رکھ کر اشارہ فرمایا تھا کہ اسی کی نسل سے (مراد فارسی اصل) مہدی معہود مبعوث ہوگا۔ اِس جاں نثار صحابیٔ رسولؐ کے مشرّف بہ اسلام ہونے کا واقعہ ابنِ ہشام جلد اوّل میں کچھ اِس طرح درج ہے کہ قبولیّتِ اسلام سے قبل حضرت سلمان فارسیؓ آتش پرست تھے۔ ان کے والد ان سے بے حد محبّت کرتے تھے۔ ان کو گھر سے بھی نہ نکلنے دیتے تھے۔ ایک دن انہوں نے سلمانؓ کو اپنی جائداد کے سِلسلہ میں باہر بھیجا اور تاکید کی کہ جلد چلے آنا زیادہ دیر باہر نہ ٹھہرنا۔ سلمانؓ ایک گِرجا کے پاس سے جو گزرے تو وہاں عبادت ہو رہی تھی۔ پادری عبادت کروا رہا تھا۔ ان کے کانوں کو یہ آواز اچھی معلوم ہوئی گرجے میں چلے گئے اور بیٹھے سُنتے رہے۔ گھر پہنچے والد صاحب نے دیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے تمام قصّہ سُنا ڈالا اور عرض کیا ہمارے مذہب سے یہ مذہب اچھا ہے۔ والد نے لاکھ سمجھایا لیکن سلمان آتش پرستی اور عیسائیت کا

موازنہ کر کے عیسائیت کو ترجیح دے چکے تھے چنانچہ انہوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا اور گرجا میں اُس پادری کے ساتھ رہنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ پادری لوگوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا اور لوگوں سے جو وصول ہوتا اُسے اپنے پاس جمع کرتا جاتا حتیٰ کہ اُس نے سونے چاندی کے سات گھڑے بھر لئے۔ حضرت سلمان کہتے ہیں مجھے اس پادری سے سخت نفرت ہو گئی۔ جب وہ مرا اور عیسائی اس کی تکفین و تدفین کے لئے جمع ہوئے تو سلمانؓ نے کہا یہ بہت بُرا شخص تھا تمہیں صدقہ کی تلقین کرتا تھا لیکن غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کی بجائے خود اپنے لئے جمع کرتا اور اُن کی تسلی کے لئے ان کو وہ سات گھڑے دکھائے چنانچہ لوگوں نے اس پادری کو مذہبی رسوم کے ساتھ دفن کرنے کی بجائے اس کی لاش کو صلیب پر لٹکایا اور اُسے کوڑے مارے پھر اس کی جگہ کسی اور آدمی کو جو اچھا تھا گرجا میں مقرر کیا۔ جب وہ مرنے لگا تو سلمانؓ نے کہا کہ مجھے بتا دیجئے میں آپ کے بعد کہاں جاؤں۔ اُس نے کہا بیٹا لوگ بہت بدل گئے ہیں۔ موصل میں فلاں نام کا ایک شخص ہے وہ نیک آدمی ہے میرے بعد تم اُس کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ سلمانؓ نے اس کی نصیحت پر عمل کیا اور جب اُس کی وفات کا وقت قریب آیا تو سلمانؓ نے اُس سے بھی اسی طرح پوچھا تو اُس اسقف نے کہا بیٹا! میرے بعد تو "نصیبین" میں فلاں پادری کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ سلمانؓ نے اُس کی نصیحت پر عمل کیا اور نصیبین میں اُس شخص کے پاس چلا گیا۔ جب اُس کا آخری وقت آیا تو سلمانؓ نے اُس سے بھی اسی طرح پُوچھا اُس نے سلمانؓ کو کہا تم میرے بعد عموریہ (روم) چلے جانا وہاں تمہیں میری طرح کا ایک پادری ملے گا۔ چنانچہ سلمانؓ نے ایسا ہی کیا اور وہاں کچھ کام کرنا بھی شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں سلمانؓ کے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی ہو گئیں اب جب اُس پادری کا آخری وقت آیا تو سلمانؓ نے اُس سے بھی وہی پوچھا جو پہلوں سے پوچھتے رہے تھے کہ میں اب کہاں جاؤں؟ اُس نے جواب دیا بیٹا! آج ہم میں مذہب پر صحیح عامل تو کوئی رہا نہیں لیکن پیغمبر آخر الزماں کا وقت آ گیا ہے جو ابراہیمؑ کے دین پر آئے گا اور عربوں میں سے ہو گا۔ اس کی علامت یہ ہو گی کہ وہ ہدیہ کھائے گا صدقہ نہیں کھائے گا اور اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوّت کی مُہر ہو گی۔ کھجوروں والی زمین میں مبعوث ہو گا۔

سلمانؓ کہتے ہیں اُس کی وفات کے بعد میں عموریہ میں رہا یہاں تک کہ کلب قبیلہ کے تاجروں کا ایک گروہ وہاں آنکلا میں نے اُن سے کہا کہ مجھے عرب کی سرزمین میں لے چلو اس کے عوض میں تمہیں گائیں اور بکریاں دوں گا۔ چنانچہ یہ سَودا طے ہو گیا۔ لیکن جب وہ وادی القریٰ میں پہنچے تو انہوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے مجھے ایک یہودی کے پاس بیچ دیا۔ میں بادلِ نخواستہ اُس یہودی کے پاس رہنے لگا۔ ایک دن اُس یہودی کا چچا زاد مدینہ سے آیا اور اُس نے مجھے اس سے خرید لیا اور مجھے مدینہ لے آیا۔ چنانچہ مجھے یہ زمین

وہی معلوم ہوئی جو مجھے مرنے والے نے بتائی تھی۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لانے والے تھے۔ اس یہودی کا ایک رشتہ دار اُس کے پاس آیا اور اُس نے بتایا کہ لوگ آج قبا میں اس آدمی کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ جب مَیں نے یہ سُنا تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ مَیں کھجور پر چڑھا ہوا تھا جلدی جلدی نیچے اُتر آیا اور اپنے مالک یہودی سے پوچھا یہ آپ کا رشتہ کیا کہتا تھا؟ میرا مالک بہت ناراض ہؤا اُس نے مجھے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا چل تُو اپنا کام کر۔ لیکن مَیں نے شام کو جو کچھ میرے پاس تھا لیا اور قبا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مَیں نے سُنا ہے آپ بزرگ آدمی ہیں اور آپؐ کے ساتھی کچھ غریب حاجتمند ہیں میری طرف سے یہ صدقہ لے لیجئے۔ میری رائے میں آپؐ سے زیادہ اِس کا حقدار اور کوئی نہیں۔ اور مَیں نے وہ چیزیں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا تم کھاؤ لیکن آپؐ نے ہاتھ نہ بڑھایا۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا یہ علامت بھی پوری ہوئی۔ پھر مَیں چلا گیا اور کچھ اور جمع کرتا رہا۔ اس عرصہ میں حضورؐ بھی مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اَب مَیں نے پھر حاضر ہو کر وہ چیزیں پیش کیں اور عرض کی یہ ہدیہ ہے جو آپؐ کی خدمت میں پیش ہے۔ چنانچہ اس دفعہ حضورؐ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور اپنے اصحابؓ کو بھی کھانے کے لئے دیا۔ مَیں نے کہا یہ علامت بھی پوری ہوگئی۔ اس کے بعد مَیں نے حضورؐ کو دیکھا آپؐ ایک جنازہ میں شمولیّت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے میرے دل میں یہ تھا کہ مَیں کسی طرح نبوّت کی وہ مُہر دیکھوں۔ حضورؐ کا چہرۂ مبارک میری طرف تھا۔ تقدیر خداوندی تھی۔ حضورؐ نے اپنی کمر میری طرف کی اور اُوپر جو چادر تھی وہ سرک گئی اور مَیں نے وہ مُہر کا نشان دیکھ لیا۔ مَیں آگے بڑھا اس مُہر کو بوسہ دیا اور مَیں زار زار رونے لگ گیا۔ حضورؐ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ مَیں نے سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا لیکن مَیں ابھی غلام تھا۔ کچھ عرصہ غلام رہا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا تم اپنے مالک سے مکاتبت کر لو۔ اصول یہ تھا کہ غلام آقا سے اپنی قیمت ڈلوا لیتا تھا اور پھر کما کر وہ قیمت ادا کر دیتا تھا اور اِس طرح وہ آزاد ہو جاتا تھا۔ اِسے مکاتبت کہتے تھے۔ چنانچہ سلمانؓ کہتے ہیں مَیں نے اپنے آقا سے مکاتبت کر لی تو حضورؐ نے صحابہؓ میں تحریک کرکے میری قیمت مالک کو ادا کر دی اور مَیں آزاد ہوگیا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

”نماز کیا چیز ہے۔ نماز اصل میں ربّ العزّت سے دعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ عافیت اور خوشی کا سامان مل سکتا ہے“۔

ابوسفیان

(ابنِ احمد)

صحابہؓ میں سے ایک ابوسفیان معاویہ کے والد تھے ان کے والد کا نام صخر تھا دادا حرب تھا اور یہ اموی تھے قریشی تھے۔ یہ واقعہ فیل سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ قریش کے بڑے سرداروں میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ یہ حنین کی جنگ میں شامل تھے۔ حنین کے مالِ غنیمت میں سے انہیں سو اُونٹ اور چالیس اوقیہ سونا ملا تھا۔ ایک آنکھ ان کی طائف کی جنگ میں ضائع ہوئی دوسری جنگِ یرموک میں پتھر لگنے سے نہ رہی اِس لئے نابینا ہو گئے تھے۔ مدینہ میں ۳۴ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے ان سے روایت کیا ہے۔ ابوحنظلہ بھی انہیں کہتے تھے۔ یہ حضورؐ کے چچا تھے۔ ان کی بیٹی اُمِّ حبیبہ حضورؐ کے عقد میں تھیں۔

دوسرے ابوسفیان عبد المطلب کے پوتے اور حارث کے بیٹے ہیں۔ مغیرہ ان کا نام تھا ابوسفیان نسب۔ بعض نے کہا مغیرہ ان کے بھائی کا نام تھا۔ یہ حضورؐ کے چچا کے بیٹے تھے۔ قریشی تھے اور رضاعی بھائی۔ حلیمہ بنت ابی ذؤیب سعدیہ نے ان کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دُودھ پلایا تھا۔ یہ بھی فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔ اِسلام سے پہلے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو حضرت حسّانؓ نے اِس کا جواب دیا لیکن اسلام لانے کے بعد اپنے ایمان و اخلاص میں بہت ترقی کی۔ یہ کہتے ہیں اِسلام لانے کے بعد شرم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

فتح مکّہ کے موقع پر حضرت علیؓ کے ترغیب دلانے پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی کیا جو یوسفؑ کے بھائیوں نے کیا تھا۔

لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ

اللہ نے آپ کو منتخب فرمایا۔ ہم گنہگار اور خطاکار تھے۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کہ تم پر آج کوئی تنگی نہیں۔ خدا تمہیں بخش دے وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

ان کی وفات اِس طرح ہوئی کہ حج کے بعد سر منڈوایا تو سر میں رسولی تھی وہ کٹ گئی۔ یہی ان کی موت کا سبب ہوُا۔ حج سے واپسی پر ۲۰ ہجری کو فوت ہوئے۔ عقیل بن ابی طالب کے گھر میں دفن ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابوسفیان بن حرب حضورؐ کے چچا تھے تو دوسرے چچازاد۔

اکمال فی اسماء الرجال

قبولیتِ دُعا کے واقعات

مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم نے یہ مضمون مجلس کے مرکزی اجتماع کے لئے تحریر کیا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝
(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷)

اور اے رسول جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پُوچھیں تو تُو جواب دے کہ مَیں ان کے پاس ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو مَیں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ سو چاہیئے کہ وہ لعینی دعا کرنے والے بھی میرے حکم قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں۔

سامعین کرام! اس عنوان یعنی قبولیّتِ دعا کے واقعات پر کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مَیں اِس سلسلہ میں اپنی طرف سے یا اپنے الفاظ میں مضمون کو پیش کرنے کی بجائے حضرت اقدس مرزا غلام احمد بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تحریرات اور آپ کے حُسن و احسان میں نظیر حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تصنیفات ہی سے اِس مضمون کو سُنانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وما توفیقی اِلّا باللہ العلیّ العظیم۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں:-

"آج کل کے بعض ملحدانہ خیال والے جو یورپ کے فلسفہ اور نیچر کے تابع ہو گئے ہیں اور اجابت اور قبولیّتِ دُعا سے مُنکر ہیں۔ اُن کے یہ خیالات سراسر باطل ہیں کہ قبولیّتِ دعا کچھ چیز نہیں اور تحصیل مرادات کے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے

کہ مومن پر خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے یہ ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اُس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کی درخواستیں گو کیسے ہی مشکل کاموں کے متعلق ہوں اکثر بہ پایۂ اجابت پہنچتی ہیں اور دراصل ولایت کی حقیقت یہی ہے جو ایسا قُرب اور وجاہت حاصل ہو جائے جو بہ نسبت اوروں کے بہت دعائیں قبول ہوں کیونکہ ولی خدا تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے اور خالص دوستی کی یہی نشانی ہے کہ اکثر درخواستیں اس کی قبول کی جائیں ۔۔"

(آئینہ کمالات صفحہ ۲۴۱، ۲۴۲)

پھر فرماتے ہیں :۔

"یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوّتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالمِ سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرامِ فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اُس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں ۔

وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوُا کہ نہ پہلے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس وحی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ وَحُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وانزل عليه انوار رحمتك الى الابد۔ اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے ۔" (برکات الدعا صفحہ ۱۰، ۱۱)

وقت کے لحاظ سے حضرت اقدس کی ان مختلف قبول شدہ دعاؤں کی صرف ایک ایک مثال ہی خاکسار عرض کر سکتا ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے بیماری سے شفایابی کی مثال بیان کرتا ہوں۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔

”عبدالکریم نام ولد عبدالرحمن ساکن حیدر آباد دکن ہمارے مدرسہ میں ایک طالبعلم ہے قضاء قدر سے اس کو سگ دیوانہ کاٹ گیا ہم نے اس کو معالجہ کے لئے کسولی بھیج دیا چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا پھر وہ قادیان میں واپس آگیا۔ تھوڑے دن گذرنے کے بعد اس میں وہ آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے جو دیوانہ کُتّے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہؤا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہوگئی تب اس غریب الوطن عاجز کے لئے میرا دل سخت بیقرار ہؤا اور دعا کے لئے ایک خاص توجہ پیدا ہوگئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائے گا۔ ناچار اس کو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیج دی اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ اس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں۔ مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہوگئی اور میرے دوستوں نے بھی اس کے لئے دعا کرنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابلِ رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہؤا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک بُرے رنگ میں اس کی موت شماتتِ اعداء کا موجب ہوگی تب میرا دل اس کے لئے سخت درد اور بے قراری میں مُبتلا ہؤا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور اگر پیدا ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے اِذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ قریب ہے کہ اُس سے مُردہ زندہ ہو جائے۔ غرض اس کے لئے اقبال علی اللہ کی حالت میسّر آگئی اور جب وہ توجہ انتہاء تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا پُورا تسلط میرے دل پر کر لیا تب اس بیمار پر جو درحقیقت مُردہ تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا ایک دفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رُخ کیا اور اس نے کہا کہ مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا تب اس کو پانی دیا گیا تو اس نے بغیر کسی خوف کے پی لیا بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی اور تمام رات سوتا رہا اور

خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی یہاں تک کہ چند روز تک بکلی صحتیاب ہو گیا میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہو گئی تھی یہ اِس لئے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اسے ہلاک کرے بلکہ اِس لئے تھی کہ تا خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہو اور جو یہ کار لوگ کہتے ہیں کہ کبھی دُنیا میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی کو دیوانہ کُتّے نے کاٹا ہو اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں پھر کوئی شخص اس حالت سے جانبر ہو سکے اور اس سے زیادہ اِس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو ماہر اس فن کے کسولی میں گورنمنٹ کی طرف سے سگ گزیدہ کے علاج کے لئے ڈاکٹر مقرر ہیں انہوں نے ہمارے تار کے جواب میں صاف لکھ دیا ہے کہ اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا ......

کسولی کے ڈاکٹروں کا جواب SORRY NOTHING CAN BE DONE FOR ABDULKAREEM افسوس ہے کہ عبد الکریم کے واسطے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

اور دفتر علاج سگ گزیدگان سے ایک مسلمان نے متعجب ہو کر کسولی سے ایک کارڈ بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ

"سخت افسوس تھا کہ عبد الکریم جس کو دیوانہ کُتّے نے کاٹا تھا اس کے اثر میں مُبتلا ہو گیا مگر اِس بات کے سُننے سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ دعا کے ذریعہ سے صحتیاب ہو گیا ایسا موقعہ جانبر ہونے کا کبھی نہیں سُنا یہ خدا کا فضل اور بزرگوں کی دعا کا اثر ہے الحمد للہ راقم عبد اللہ از کسولی"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۸۰، ۴۸۲)

اولاد سے نومید کے ہاں اولاد

حضرت فضلِ عمر فرماتے ہیں :-

" اس کے متعلق ایک صاحب کا اپنا بیان جو کتاب " سیرۃ المہدی " میں شائع ہُوا ہے پیش کرتا ہوں ۔ان صاحب کا نام عطا محمد ہے اور یہ پٹواری کا کام کرتے ہیں ۔ وہ بیان کرتے ہیں :-

" جب مَیں .... ونجواں ضلع گورداسپور میں پٹواری ہوتا تھا تو قاضی نعمت اللہ صاحب خطیب بٹالوی جن کے ساتھ میرا ملنا جُلنا تھا مجھے حضرت صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں برکتیں نازل ہوں) کے متعلق بہت تبلیغ کیا

کرتے تھے مگر میں پرواہ نہیں کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھے بہت تنگ کیا میں نے کہا بہت اچھا میں تمہارے مرزا کو خط لکھ کر ایک بات کے متعلق دعا کراتا ہوں اگر وہ کام ہوگیا تو میں سمجھ لوں گا کہ وہ سچے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب کو خط لکھا کہ آپ مسیح موعود اور ولی اللہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور ولیوں کی دعائیں سنی جاتی ہیں آپ میرے لئے دعا کریں کہ خدا مجھے خوبصورت صاحبِ اقبال لڑکا جس بیوی سے میں چاہوں عطا کرے اور نیچے میں نے لکھ دیا کہ میری تین بیویاں ہیں مگر کئی سال ہو گئے آج تک کسی کے اولاد نہیں ہوئی میں چاہتا ہوں کہ بڑی بیوی کے بطن سے لڑکا ہو (ان کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ وہ زیادہ عمر رسیدہ تھی اس لئے اس کے ہاں لڑکا ہونا اور بھی مشکل ہوگیا) حضرت صاحب کی طرف سے مجھے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط گیا (مولوی صاحب مرحوم جو جماعتِ احمدیہ کے عمائدین میں سے تھے حضرت صاحب کے صیغہ ڈاک افسر تھے) کہ مولیٰ کے حضور دعا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو فرزند ارجمند صاحبِ اقبال خوبصورت لڑکا جس بیوی سے آپ چاہتے ہیں عطا کرے گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں۔"

"منشی عطا محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ان دنوں سخت بے دین اور شرابی کبابی راشی مرتشی ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے جب مسجد میں جا کر مُلّاں سے پوچھا کہ زکریا والی توبہ کیسی تھی؟ تو لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ شیطان مسجد میں کس طرح آگیا ہے مگر وہ مُلّاں مجھے جواب نہ دے سکا۔ پھر میں نے دھرم کوٹ کے مولوی فتح دین صاحب مرحوم احمدی سے پوچھا انہوں نے کہا زکریا والی توبہ بس یہی ہے کہ بے دینی چھوڑ دو، حلال کھاؤ، نماز روزہ کے پابند ہو جاؤ اور .... میں زیادہ آیا جایا کرو۔ یہ سُنکر میں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ شراب وغیرہ چھوڑ دی۔ رشوت بھی بالکل ترک کر دی اور صلوٰۃ وصوم کا پابند ہوں۔"

"چار پانچ ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا کہ میں ایک دن گھر گیا تو اپنی بڑی بیوی کو روتے ہوئے پایا۔ سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ پہلے مجھ پر یہ مصیبت تھی کہ میرے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے میرے پر دو بیویاں کیں لیکن اب یہ مصیبت آئی ہے کہ میرے حیض آنا بند ہوگیا ہے (گویا اولاد کی کوئی امید ہی نہیں رہی) ان دنوں اس کا بھائی امرتسر میں تھانیدار تھا چنانچہ اس نے مجھے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے پاس بھیج دو کہ میں کچھ علاج کرواؤں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصاراللہ

ربوہ

مارچ، اپریل ۱۹۸۵ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

مدیرانِ اعزازی

ملک صلاح الدین صاحب بھارت، مبارک احمد صاحب ساقی لندن

کمال یوسف صاحب سیکنڈے نیویا

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: سید عبدالحی — کتابت: حمید الدین

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ انصاراللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

فہرست

جنوری فروری کے شمارہ جات شائع نہیں ہوئے۔

شرحِ چندہ

پاکستان		بیس ۲۰ روپے سالانہ
امریکہ، کینیڈا، جزائر فجی	بذریعہ ہوائی ڈاک	پندرہ ۱۵ ڈالر سالانہ
	بحری ڈاک	آٹھ ۸ ڈالر سالانہ
دیگر ممالک	بذریعہ ہوائی ڈاک	چھ ۶ پونڈ سالانہ
	بحری ڈاک	تین ۳ پونڈ سالانہ

قیمت فی پرچہ: دو روپے

مَیں نے کہا وہاں کیا جاؤ گی یہیں دائی کو بُلوا کر دکھلاؤ اور اس کا علاج کرواؤ۔
چنانچہ اس نے دائی کو بلوایا اور کہا کہ مجھے کچھ دوا وغیرہ دو۔ دائی نے سرسری دیکھ کر کہا مَیں تو دَوا نہیں دیتی نہ ہاتھ لگاتی ہوں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تیرے اندر بُھول گیا ہے (یعنی تُو تو بانجھ تھی مگر اب تیرے پیٹ میں بچہ معلوم ہوتا ہے۔ پس خدا نے تجھے (نعوذ باللہ) بُھول کر حمل کروا دیا ہے۔ مولف سیرۃ المہدی) اور اس نے گھر سے باہر آکر بھی یہی کہنا شروع کیا کہ خدا بُھول گیا مگر مَیں نے اسے کہا کہ ایسا نہ کہو بلکہ مَیں نے میرزا صاحب سے دعا کروائی تھی۔
پھر منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ میں حمل کے پورے آثار ظاہر ہو گئے اور مَیں نے اِرد گرد سب کو کہنا شروع کیا کہ اب دیکھ لینا میرے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ ہوگا بھی خوبصورت۔ مگر لوگ بڑا تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایسا ہوگیا تو واقعی بڑی کرامت ہے۔ آخر ایک دن رات کے وقت لڑکا پیدا ہؤا اور خوبصورت ہؤا۔ مَیں اسی وقت دھرم کوٹ بگہ بھاگا گیا جہاں میرے کئی رشتہ دار تھے اور لوگوں کو اس کی پیدائش کی اطلاع دی چنانچہ کئی لوگ اُسی وقت بیعت کے لئے قادیان روانہ ہو گئے مگر بعض نہیں گئے اور پھر اس واقعہ پر وجواں کے بھی بعض لوگوں نے بیعت کی اور مَیں نے بھی بیعت کر لی اور لڑکے کا نام عبدالحق رکھا۔ منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری شادی کو بارہ سال سے زائد ہو گئے تھے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔"
"پھر اس واقعہ کی عظمت اس اثر سے معلوم ہوتی ہے جو ان لوگوں پر ہؤا.... کہ اس شخص نے بھی بیعت کر لی اور اس کے دوسرے بہت سے رشتہ دار اُسی وقت رات کے وقت ہی اُٹھ کر بیعت کرنے کے لئے قادیان چل پڑے اور اس گاؤں کے دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی..... اِس واقعہ کے علاوہ اَور بہت سے اِس قسم کے واقعات ہیں کہ بے اولادوں کو آپ کی دعا سے اولاد ہوگئی مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس قسم کی مثالوں میں سے یہی ایک کافی ہے۔ (احمدیت .... صفحہ ۹۲ تا ۹۵)

مصیبت زدوں کا مصیبت سے رہائی پانا

حضرت اقدس فرماتے ہیں:-

"... منجملہ ان کے استجابتِ دعا کا ایک یہ نشان ہے کہ ایک میرے مخلص سیّد ناصر شاہ جو اَب کشمیر بارہ مُولا میں اوورسیئر ہیں وہ اپنے افسروں کے ماتحت نہایت تنگ تھے اور ان کی ترقی کے حارج تھے بلکہ ان کی ملازمت خطرہ میں تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ مَیں استعفاء دیتا ہوں تا اس ہر روزہ تکلیف سے نجات پاؤں۔ مَیں نے ان کو منع کیا مگر وہ اِس قدر ملازمت سے عاجز آ گئے تھے کہ انہوں نے بار بار نہایت عجز و انکسار سے عرض کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میری جان ایک بلا میں گرفتار ہے اور حد سے زیادہ اصرار کیا اور کہا کہ میرے لئے ترقیٔ عہدہ کی راہ بند ہے بلکہ ایسا نہ ہو کہ کسی ظالم کے ہاتھ سے فوق الطاقت مجھے ضرر پہنچ جائے تب مَیں نے ان کو کہا کہ کچھ دن صبر کرو مَیں تمہارے لئے دعا کروں گا اور اگر پھر بھی مشکلات پیش آئیں تو پھر اختیار ہے۔ بعد اس کے مَیں نے جنابِ الٰہی میں ان کے لئے دعا کی اور حضرتِ عزّت سے ان کی کامیابی چاہی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ پہلی ملازمت بھی خطرہ میں تھی غیر مترقب طور پر ترقی ہو گئی..."

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵)

خاکسار اِس مضمون کو حضرت اقدس کے ہی ایک اقتباس سے ختم کرتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"مجھے دکھلایا اور بتلایا گیا اور سمجھایا گیا ہے کہ دُنیا میں فقط اِسلام ہی حق ہے اور میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ بہ برکت پیروی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ملا ہے اور جو کچھ ملا ہے اُس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں کیونکہ وہ باطل پر ہیں۔ اب اگر کوئی سچ کا طالب ہے خواہ وہ ہندو ہے یا عیسائی یا آریہ یا یہودی یا برہمو یا کوئی اَور ہے اس کے لئے یہ خوب موقعہ ہے جو میرے مقابل پر کھڑا ہو جائے۔ اگر وہ امورِ غیبیہ کے ظاہر ہونے اور دعاؤں کے قبول ہونے میں میرا مقابلہ کر سکا تو مَیں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی تمام جائیداد غیر منقولہ جو دس ہزار روپیہ کے قریب ہو گی اس کے حوالہ کر دوں گا۔ جس طور سے اس کی تسلّی ہو سکے اُسی طور سے تاوان ادا کرنے میں اس کو تسلّی دوں گا۔ میرا خدا واحد شاہد ہے کہ مَیں ہرگز فرق نہیں کروں گا اور اگر سزائے موت بھی ہو تو بدل و جان روا رکھتا ہوں ...."

(آئینہ کمالات صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۷)

جب زمین سے سونے کا گھڑا دریافت ہوُا

بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص نے دوسرے سے کوئی جائیداد خرید کی جس نے جائیداد خرید کی تھی اُسے اس میں سے گھڑا ملا جس میں سونا تھا۔ اُس نے جائیداد بیچنے والے سے کہا یہ اپنا سونا لے لو۔ مَیں نے تجھ سے زمین خریدی تھی سونا تو نہیں خریدا تھا۔ بیچنے والے نے کہا مَیں نے زمین اور جو اس میں تھا بیچا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں یہ معاملہ ایک تیسرے آدمی کے پاس لے گئے۔ اُس شخص نے ان سے پوچھا کیا تمہارا کوئی بیٹا ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں دوسرے نے کہا میری بیٹی ہے۔ اُس نے کہا اِن دونوں کی شادی کر دو اور یہ سونا ان پر خرچ کر دو اور دونوں راہِ خدا میں خرچ کر دو۔

یہ سبق آموز واقعہ جہاں دیانت داری کا ایک بے مثال واقعہ ہے وہاں ہماری توجہ اِس طرف مبذول کراتا ہے کہ صحیح معاشرہ وہ ہے جہاں اپنے حقوق کی حفاظت نہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کو مقدم رکھا جائے۔ اگر افرادِ معاشرہ ایثار سے کام نہلیں تو جھگڑے بڑھتے ہیں لیکن اگر دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے تو معاشرہ مثالی جنّت بنتا ہے۔ دوسروں کی حق تلفی معاشرہ میں فساد اور بے چینی کا موجب بنتا ہے اور قیامت کے روز ظالم کے لئے رسوائی اور ندامت کا موجب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مثال کے ذریعہ ہمیں ایک اہم سبق دیا ہے۔ اے کاش ہم اس پر عمل کریں۔ اپنے حقوق سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کریں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :-

"مَیں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ اور ایسے کاربند ہو کہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری رُوح کے ارادے اور جذبے ہمہ تن نماز ہو جائیں"

ایک اہم سوال

(محترم چوہدری خورشید احمد صاحب باجوہ - اوکاڑہ)

بنی اسرائیل کی چار ہزار سالہ زندگی میں پہلا موقع نہیں ہے کہ وہ اس حقیقت کا احساس تک کھو بیٹھے ہیں کہ اُن کی منزل کیا ہے اور وہ کس سمت گامزن ہیں۔ اسرائیل کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے اب کم و بیش سینتیس سال ہو چکے ہیں مگر یہ قوم آج بھی یروشلم کے علاقے میں اُسی طرح سرگرداں نظر آتی ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھی۔

اسرائیل کے جنوب میں اسرائیلی پرچم سرنگوں ہو چکا ہے اور اب ایک عرصہ سے وادیٔ سینا پر مصر کا پرچم لہرا رہا ہے۔ شمال میں اسرائیلی طیارے ہمہ وقت فلسطینی بستیوں پر بمباری کر کے چچا سام کے بل بوتے پر اپنی فضائی برتری کے جوہر دکھانے میں مصروف رہتے ہیں اور اب تو جنوبی لبنان پر قبضہ جما کر بیروت کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔ ان کی وحشیانہ بمباری سے نہ دوست محفوظ ہیں اور نہ ہی دشمن اور نہ ہی امن پسند شہری۔

مغرب میں بحیرۂ روم ہے جس کا ساحلی علاقہ سیاحوں کی تفریح گاہ ہے اور اسی لئے اسرائیل کی بمباری سے قدرے محفوظ ہے۔ باقی رہا مشرقی علاقہ۔ تو یہ وہ علاقہ ہے جسے اسرائیل نے اپنے توسیع پسندانہ اور مذموم عزائم کے لئے مختص کر رکھا ہے اور اسی غرض کے پیشِ نظر اس علاقے میں ہزاروں مسلح اور وردی پوش رضا کاروں کو بڑی تیزی سے بسایا جا رہا ہے تاکہ وقت آنے پر کسی نہ کسی بہانے سے دریائے اردن کو پار کر کے اردن میں داخل ہو سکے اور اس کے بعد سعودی عرب کی طرف توجہ کرے۔ اسرائیل کے لئے اس قسم کا کوئی بہانہ تلاش کرنا معمولی بات ہے۔ سب سے پہلے تو وہ اپنے پڑوسیوں پر جارحیت کا الزام لگاتا ہے اور پھر خود جارحیت کر کے اپنی سرحدوں کی حفاظت کے بہانے سے اپنے پڑوسیوں کی سرحدوں کو توڑ کر آگے نکل جاتا ہے اور نئی اور "زیادہ محفوظ" سرحدیں قائم کرتا ہے اور پھر اُس غصب کردہ علاقے کو ضم کرنے کا اعلان کر دیتا ہے وہاں بستیاں بساتا ہے اور اگر اس صریح غنڈہ گردی کے خلاف کسی طرف سے دبی زبان سے بھی کوئی آواز اُٹھتی

ہے تو اُسے پچاس کسی نہ کسی طرح سے دبانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ عمل دوہرایا جاتا ہے اور اگر عرب ممالک میں سے کوئی اس پر اعتراض کرتا ہے تو اُسے کُھلی کُھلی جارحیت قرار دیا جاتا ہے اور پھر امن و امان کی بحالی کے لئے کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں جو نشستند گفتند برخواستند کے مرحلے سے آگے نہیں جاتیں اور تعطل کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اِس معاملے میں بعض ممالک کا کردار صرف ریزولیوشن پاس کرنے اور مذمت کرنے تک ہی محدود رہتا ہے اور اس بات چیت کے دَوران اسرائیل نئے مقبوضہ علاقوں پر اپنے قدم مضبوطی سے جما لیتا ہے۔

سینا کا علاقہ تو اسرائیل نے خالی کر دیا ہے۔ اِس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسرائیل تمام دُنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ باہم گفت و شنید کے ذریعہ تمام متنازعہ امور کو طے کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے مگر دُنیا کو یہ معلوم ہے کہ جو اسرائیلی سینا میں بسائے گئے تھے وہ کس مشکل سے وہاں سے نکالے گئے ہیں۔ یامیت کی بستی سے جو ایسے علاقے میں تھی جس پر اسرائیل کا کوئی حق نہیں تھا کس قدر ظلم کی بات ہے کہ غیر کے علاقے پر قبضہ کر کے پہلے تو اپنے قبضہ کو مضبوط کرنے کے لئے وہاں بستیاں بسائی جاتی ہیں اور جب اُس علاقے کو بین الاقوامی دباؤ کے تحت خالی کر دینا پڑتا ہے تو اُسے ایک نہایت ہی فیاضانہ اقدام قرار دیا جاتا ہے۔

اگر یامیت کی بستی سے نکالے جانے پر وہاں کے بسنے والوں نے سخت مزاحمت کی تھی تو یقیناً دیگر بستیوں سے نکالے جانے پر اَور بھی سخت مزاحمت کریں گے۔ اور یہ امکان بھی ہے کہ وہ اسرائیل کی انگیخت پر ایک مصنوعی اور دکھاوے کی جنگ پر اُتر آئیں تاکہ اسرائیل انہیں وہاں سے نہ نکالے اور اپنی معذوری ظاہر کر دے کہ ایسا کرنا اس کی اپنی سلامتی کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔

سینا کے علاقے سے نکالے جانے پر جو واویلا اور احتجاج انہوں نے کیا ہے دوسرے علاقوں سے نکالے جانے پر اُس سے سَو گنا زیادہ احتجاج کریں گے تاکہ اسرائیل کو بہانہ مل جائے کہ اُنہیں جُوڈیا اور سماریہ کے سرسبز اور لہلہاتے علاقے سے نکالا نہیں جا سکتا اور اگر انہیں نکالا گیا تو اُس کی اپنی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

الغرض یہ وہ آگ ہے جس کا دھوُاں ہر طرف پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ یہ ہے اسرائیل کا نظریۂ امن اور یہ ہیں اسرائیل کے مستقبل کے ارادے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسرائیل کی توسیع پسندانہ کارروائیوں نے ایک عام اسرائیلی شہری کو کس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ وہ ایک مستقل اور نہ ختم ہونے والی جنگ میں جھونک دیا گیا ہے اور یہ ایک ایسی صورتِ حالات ہے جو ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی وہ یقیناً آہستہ آہستہ دل میں سوچنے لگے گا کہ مَیں تو اِس ملک میں آرام اور سکون کی زندگی بسر کرنے کے لئے آیا تھا نہ کہ اپنے آپ کو ایک مستقل

ہنگامی حالت میں ملوث ہونے کے لئے جیساکہ ڈاکٹر ابراہیم برکاتی نے جو ایک بااثر اور مقتدر اسرائیلی ہیں کہا ہے کہ "ہم تو یہاں ایک مثالی، قابلِ رشک اور قابلِ تقلید زندگی بسر کرنے کے لئے آتے تھے نہ کہ غیروں کے علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لئے اور انہیں ظلم کا تختۂ مشق بنانے کے لئے"۔ پروفیسر یہودہ والک جو تل ابیب یونیورسٹی میں عسکری تاریخ کے شعبے کے استاد ہیں کہا ہے کہ "اس حقیقت نے کہ ہم نے چھ روزہ جنگ کے بعد مغربی کنارے پر سالہا سال سے قبضہ کر رکھا ہے اسرائیلیوں کے ذہنوں، اُن کے اخلاق اور اُن کی سوچ کو اندر ہی اندر گھُن کی طرح کھانا شروع کر دیا ہے"۔

اسرائیل کی پالیسیوں کو جس زاویے سے بھی دیکھا جائے اور ان پالیسیوں پر عمل کرنے کے جواز میں اسرائیل کتنے ہی جواز پیش کرے کچھ عرصہ سے اُس کا صحیح چہرہ نظر آنا شروع ہو گیا ہے اور اُس کے چہرے سے مظلومیّت کا نقاب آہستہ آہستہ سرکنا شروع ہو گیا ہے۔ یہ وہی قوم ہے جو دوسری عالمی جنگ کے دوران بڑی مظلوم سمجھی جاتی تھی جس نے اپنے پراپیگنڈا سے تمام دُنیا کو تاثر دے رکھا تھا کہ وہ تو ایک امن پسند قوم ہے مگر ہٹلر نے اُن پر اتنے مظالم کئے ہیں کہ جس کی مثال دُنیا میں نہیں ملتی اور اس پراپیگنڈا کے صلہ میں انہیں امن وامان سے زندگی بسر کرنے کے لئے ایک علیحدہ خطّہ ملا مگر بہت جلد اس نے بال و پر نکالنے شروع کر دئے اور وہی مظالم جن کی وہ شکایت کیا کرتے تھے اُس نے اپنے ہمسایہ ملکوں کے باشندوں پر کرنے شروع کر دئے۔

یہ وہی قوم ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کے مظالم سے نجات دلائی تھی۔ یہ وہی قوم ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احسانات کا بدلہ یہ کہہ کر چکایا کہ "موسیٰ جا اور اپنے خدا کو ساتھ لیکر جنگ کر"۔ یہ وہی قوم ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیرحاضری میں گائے کی پرستش شروع کر دی اور ایک بہت بڑے شرک کے مرتکب ہوئے۔ یہ وہی قوم ہے جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے چالیس سال تک جنگلوں اور صحراؤں میں سرگرداں رہی۔ یہ وہی قوم ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تختۂ دار پر کھینچ دیا۔ اور یہ وہی قوم ہے جو ہزاروں سالوں سے دیوارِ گریہ کے ساتھ ٹکریں مار مار کر رویا کرتی تھی اور اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی کو مدھم کرنے میں مصروف تھی۔

اب جبکہ وہی قوم برسرِ اقتدار آ گئی ہے تو وہ اپنا ماضی بھلا بیٹھی ہے اور ایک انسانیّت سوز غنڈہ گردی پر اُتر آئی ہے اور وہی مظالم جن کا وہ ہمیشہ گلہ کیا کرتی تھی اُس نے دوسری قوموں پر کرنے شروع کر دئے اور جس نے بھی اُس کی مزاحمت کی اُس کی چچا سام کے بل بوتے پر اچھی طرح مرمّت کی اور اُس کی داؤدی صفت نے جالوتی فطرت کا لبادہ اوڑھ لیا یہاں تک کہ اب اسرائیل کے بارے میں بین الاقوامی

رائے بھی آہستہ آہستہ بدلنا شروع ہو گئی ہے۔ آج سے چند سال قبل دُنیا کے اکثر ممالک کی حمایت اسرائیل کو حاصل تھی اور اُن کی نیک خواہشات اسرائیل کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ اسے مظلوم اور قابلِ رحم سمجھتے تھے اب یہ حالت ہے کہ ان ممالک میں سے نصف سے زائد عربوں کی حمایت پر اُتر آئے ہیں اور اسرائیل سے بیزار ہیں اور ایک بہت بڑا سوالیہ نشان قوموں کے سامنے اُبھرا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ "کیوں" اور "اگر" کے بجائے "کب" اور "کہاں" فلسطینیوں کو اُن کے بسنے کے لئے ایک علیحدہ اور آزاد خطہّ ملے گا۔

جہاں تک مغربی کنارے کا سوال ہے تو پروفیسر والک نے وہاں اسرائیلی بستیوں کو ایک بہت بڑی حماقت قرار دیا ہے کیونکہ اس خطہ سے اسرائیلیوں کا انخلاء فلسطینیوں کا مسئلہ حل کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہو گیا ہے کیونکہ عذر وہی ہو گا یعنی بحالیٔ امن و امان کی خاطر اور اپنی سرحدوں کے تحفّظ کے لئے نئی سرحدیں ضروری سمجھی جائیں گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک بہت بڑا سوال ہے کہ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ عرب ممالک اپنی صفوں میں ایک محکم اور دیرپا اِتحاد پیدا کر کے اور آپس کے تنازعات ختم کر کے اپنی تمام تر قوت اور کوشش ایک اور صرف ایک ہی سمت میں صرف کریں اور اسرائیل کو مقبوضہ علاقوں سے نکل جانے پر مجبور کر دیں۔ ایک طرف تو عراق، ایران کی جنگ شروع ہے اور دوسری طرف وہ آپس میں اُلجھ رہے ہیں۔ کانفرنسیں ہوتی ہیں مگر ان کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ وہ قرآنِ مجید کی اِس آیت پر غور کریں:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

کِسی نے اِس شعر میں اِس کا مفہوم یوں ادا کیا ہے ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی ✽ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

میرا ایمان ہے ایک روز آئے گا جب صادق و مصدوق کی وہ پیشگوئی پوری ہوگی کہ اگر یہودی پتھر کے پیچھے چُھپا ہو گا تو پتھر پکارے گا "اے مسلمان آ یہ ہے یہودی اِس پر ضرب لگا۔"

ضرورت اِس امر کی ہے کہ خدا کی تقدیر سے ہم اپنی تدابیر کو ہم آہنگ کریں۔ ہم اِس ارشادِ خداوندی پر عمل پیرا ہوں:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ

کہ ہم اپنی قوتوں کو مجتمع کریں۔ ہم اِس فتنہ اور خطرہ کی سرکوبی کے لئے اُس کے مناسب تیاری کریں ایسی تیاری کہ اُسے دیکھ کر دشمن مرعوب ہو جائے ✽

مجلسِ انصار اللہ انگلستان کا پانچواں سالانہ اجتماع

مکرم محمد شریف صاحب اشرف ۔ لندن

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجلس انصار اللہ انگلستان کو اپنا پانچواں سالانہ اجتماع ۲۰ ۔ ۲۱ ؍ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو منعقد کرنے کی توفیق ملی ۔ امسال یہ اجتماع کئی لحاظ سے اہم خصوصیت کا حامل تھا ۔

پہلی نمایاں اور بابرکت خصوصیت یہ ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنے مقدس وجود اور خطاب سے اِس اجتماع کو شرف بخشا ۔

دوسری نمایاں اور یادگار خصوصیت یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ انگلستان کو حضور کی دُعاؤں اور راہنمائی سے انگلستان میں ایک نہایت خوبصورت اور وسیع قطعہ زمین یورپین سنٹر کے قیام کے لئے حاصل کرنے کی توفیق بخشی اور مجلس انصار اللہ کو اپنا یہ اجتماع اس تاریخی مقام پر کرنے کی سعادت ملی اور اس اجتماع کے ساتھ اِسلام آباد کا اِفتتاح ہُوا ۔

اِفتتاحی اجلاس

اِس اجتماع کا افتتاحی اجلاس ۲۰ ۔ اکتوبر بروز ہفتہ ½ ۲ بجے شام مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی زیرِ صدارت شروع ہُوا ۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد انصار نے عہد دُہرایا ۔ بعدازاں مکرم چوہدری صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں اِسلام آباد میں انصار اللہ کا اجتماع منعقد کرنے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس اجتماع کو ایک یادگار حیثیت دی ۔ آپ نے مزید فرمایا کہ انصار اس اجتماع کے مقصد کو سمجھتے ہوئے اپنے علم کو بڑھائیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کی تربیت کی طرف توجہ کریں تا کہ وہ صحیح صاحبِ ایمان بن سکیں ۔ آپ نے حضرت اقدس کی کتب پڑھنے کی تلقین بھی کی ۔

آپ کی افتتاحی تقریر کے بعد مکرم سعید احمد صاحب انور صدر جماعت بریڈ فورڈ نے ذکرِ حبیب کے موضوع پر حضرت مسیح موعود کی زندگی کے واقعات پیش کر کے حضور کے جذبۂ عشقِ الٰہی پر روشنی ڈالی ۔

مکرم سعید انور صاحب کے بعد مکرم مولوی عبد الکریم صاحب شرما سابق مربی مشرقی افریقہ نے سیرت حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر تقریر کی۔ آپ نے حضرت بلالؓ کی زندگی کے واقعات بیان کرکے آپ کی قربانیاں اور خدمات بیان کیں۔

بعدہٗ مکرم انور احمد صاحب کاہلوں نیشنل پریذیڈنٹ نے "خلافت کے سایہ میں" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے خلافت کی برکات کی تفصیل بیان فرمائی۔

آپ کی تقریر کے بعد کھیلوں کا وقفہ تھا۔

مجلس عرفان

کھیلوں کے وقفہ کے بعد حضرت امام جماعت احمدیہ کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کی گئی۔ نماز کے بعد حضور اقدس مجلس عرفان میں رونق افروز ہوئے اور دوستوں کے سوالوں کے جواب دئے۔

نماز عشاء کے بعد کھانا کھایا گیا اور کھانے کے بعد دو گھنٹے تک فی البدیہہ تقریری مقابلہ اور بیت بازی ہوئی۔

دوسرا دن

دوسرے دن مورخہ ۲۱ اکتوبر بروز اتوار کا آغاز صبح نماز تہجد کے ساتھ ہوا۔ نماز فجر کے بعد مکرم عطاء المجیب صاحب راشد نے درس قرآن دیا۔ مکرم مرزا محمود احمد صاحب نے درس حدیث اور مکرم چوہدری محمد عیسیٰ صاحب نے ملفوظات کا درس دیا۔

پہلا اجلاس:- دوسرے دن کا پہلا اجلاس زعیم اعلیٰ انصار اللہ انگلستان مکرم چوہدری ہدایت اللہ صاحب بنگوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ تلاوت و نظم کے بعد مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سابق آسمانی صحف کی پیشگوئیوں پر تقریر کی۔ آپ نے بائیبل کی دو پیشگوئیاں پیش کرکے ان کی تشریح کی اور بتایا کہ یورپ جیسے ممالک میں تبلیغ کے لئے یہ بڑی ممد ثابت ہوئی ہیں۔

آپ کے بعد مکرم مبارک احمد صاحب ساقی مربی سلسلہ نے داعی الی اللہ کے لئے قرآنی ہدایات کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے قرآنی آیات کی روشنی میں تبلیغ کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بعض ایسے طریق بتائے جو ایک مبلغ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

آپ کے بعد مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ مربی سلسلہ آکسفورڈ نے اخلاق اور روحانی اقدار کے موضوع

پر تقریر کی۔ آپ نے بتایا کہ رُوحانی اور اخلاقی ترقی میں گناہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آپ نے سورہ حجرات کی روشنی میں تحقیر نہ کرنے، طعن و تشنیع، بدگمانی، تجسس، غیبت وغیرہ سے بچنے کے طریق بتائے۔

اجلاس دوم :- دوسرا اجلاس چائے کے وقفہ کے بعد مکرم انور احمد صاحب کاہلوں نیشنل پریذیڈنٹ کی صدارت میں منعقد ہؤا۔ تلاوت و نظم کے بعد مکرم نسیم احمد صاحب باجوہ مربّی سلسلہ نے تبلیغ کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے تبلیغ کے فریضہ کی وضاحت کی۔ آپ نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے قیام اور حضرت مسیح موعود کی آمد کا مقصد ہی تبلیغ ہے اس لئے ہر احمدی کو داعی الی اللہ بننا چاہیئے۔

نومبائع خاندان کا تعارف

اسی ہفتہ یارکشائر سے ایک انگریز خاندان نے بیعت کی۔ اس موقع پر محترم صدر مجلس نے MR. CARL NEWMAN اور ان کی بیوی کا تعارف کروایا۔ یہ خاندان عرصہ چار سال سے محترم ڈاکٹر حامد اللہ صاحب کے زیرِ تبلیغ تھا۔ ایک تحقیق کے بعد اس خاندان کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق ملی۔ دوست ان کی استقامت کے لئے دعا کریں۔ آمین

آپ کے بعد گھانا کے ایک مخلص اور قابل احمدی دوست مکرم اسمٰعیل آڈو صاحب نے تقریر کی۔ ہمارے یہ بھائی جرمنی میں سفیر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں انسانی پیدائش کا مقصد بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مدّتوں انسان اس مسئلہ کو حل کرتا رہا اور بالآخر قرآن کے ذریعہ اس کا حل مل گیا۔

آپ کی تقریر کے بعد مکرم مجید احمد صاحب سیالکوٹی مربّی سلسلہ نے حضرت منشی اروڑے خاں صاحب کے حالات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ انبیاء کے بعد اُن کے ساتھیوں کا وجود ہی امن و امان اور برکت کا موجب ہؤا کرتا ہے۔ آپ نے حضرت منشی صاحب کی زندگی کے واقعات اور آپ کے اخلاص کے واقعات سُنائے۔ یہ واقعات بڑے رُوح پرور اور وجد آفرین تھے۔

اجلاس سوم :- کھانے کے وقفہ کے بعد تیسرا اجلاس مکرم عطاء المجیب صاحب راشد مشنری انچارج و نائب صدر انصار اللہ کی صدارت میں شروع ہؤا۔ تلاوت و نظم کے بعد مکرم آفتاب احمد خاں صاحب سابق سفیر پاکستان نے "حُسنِ معاملات" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے قرآنی آیات اور حضرت اقدس کی تعلیم کی روشنی میں معاملاتِ زندگی کو احسن رنگ میں ادا کرنے پر زور دیا۔ ایسے جھگڑے جو معمولی نوعیّت سے شروع ہوتے ہیں اگر ابتداء سے ہی حُسنِ معاملت رکھی جائے تو جھگڑے شروع ہی نہ ہوں۔

اس کے بعد مکرم عطاء المجیب صاحب راشد نے اپنی تقریر شروع کی۔ آپ نے وقت کی کمی کے باعث حضرت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَأۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماھنامہ

انصار اللہ

ربوہ

مارچ، اپریل ۱۹۸۵ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

مدیرانِ اعزازی

ملک صلاح الدین صاحب بھارت، مبارک احمد صاحب ساقی لندن

کمال یوسف صاحب سکنڈے نیویا

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: سید عبدالحی   کتابت: حمید الدین

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

فہرست

جنوری فروری کے شمارہ جات شائع نہیں ہوئے۔

شرح چندہ

پاکستان ———— بیس ۲۰ روپے سالانہ

امریکہ، کینیڈا، جزائر فجی: بذریعہ ہوائی ڈاک: پندرہ ۱۵ ڈالر سالانہ

" بحری ڈاک: آٹھ ۸ " "

دیگر ممالک: بذریعہ ہوائی ڈاک: چھ ۶ پونڈ سالانہ

" بحری ڈاک: تین ۳ پونڈ سالانہ

قیمت فی پرچہ: دو ۲ روپے

حضور نے داعی الی اللہ پروگرام کی وضاحت کی اور بڑے درد کے ساتھ اپنے امام کی آواز پر لبیک کہنے کی تلقین کی اور سب احباب کو داعی الی اللہ بننے کے لئے زور دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ۱۹۶۱ء کی تقریر کا ایک اقتباس بھی پڑھ کر سنایا۔

اختتامی اجلاس

نماز ظہر و عصر حضرت امام جماعت احمدیہ کی اقتداء میں ادا کی گئیں اور اس کے بعد اختتامی اجلاس شروع ہؤا۔ تلاوت و نظم کے بعد حضور نے اپنا پُرمعارف خطاب شروع فرمایا۔ حضور نے یورپین سنٹر کے حصول پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا اور ہمسایوں کے حُسنِ سلوک کے بارہ میں جماعت کے احباب کو بتایا کہ کس طرح ہمسایوں سے ہم نے بڑا اچھا سلوک کیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ انصار اللہ کو میرا پہلا پیغام یہ ہے کہ نیکیوں میں ہمیشہ آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور اس مطمح نظر کو ہمیشہ سامنے رکھو۔ اپنے ہمسایوں کو بتاؤ کہ احمدیت کیا ہے۔

ہم نشأۃِ ثانیہ کے دعویدار ہیں تو ہم نے اپنے عمل سے اسے ثابت بھی کرنا ہے اور اپنے دعوے کو مسلسل قربانیوں سے سچ ثابت کرنا ہے۔

پھر حضور نے اسلام آباد (یورپین سنٹر) کی خرید کے سلسلہ میں بڑے دلچسپ واقعات سنائے اور اس کا پس منظر بیان کیا اور اس سلسلہ میں جماعت کے مرد و زن نے جو مالی قربانیاں کی ہیں ان کا خاکہ بھی بیان فرمایا اور پھر فرمایا کہ جن خاندانوں نے قربانیاں کیں اُن کے بعد آنے والوں کو خدا نے بہت نوازا۔ اسی طرح جو اَب قربانیاں کر رہے ہیں خدا تعالیٰ ان کی آنے والی نسلوں کو بھی اسی طرح نوازے گا۔

آخر میں حضور نے اطفال، خدام اور انصار کی تنظیموں کو بیان کرتے ہوئے انصار کو تجربہ کے لحاظ سے قیادت حاصل ہے اس قیادت کو اس تجربہ کو ساری جماعت کی تعلیم و تربیت کے لئے اِستعمال کرنے پر زور دیا۔

آخر میں حضور نے دعا کروائی اور یہ روحانیت سے پُر اجتماع اختتام پذیر ہؤا۔

> حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:-
>
> "نماز بڑے بھارے درجے کی دعا ہے مگر لوگ اس کی قدر نہیں کرتے ..... پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا کہ مشکلات کے وقت بس وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور نماز میں دعا کرتے تھے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ خدا کے قریب لے جانے والی کوئی چیز نماز سے زیادہ نہیں۔"

جب عرم بند تباہ ہوا

(غلام باری سیف)

قرآن مجید کی پانچ سورتیں "حمد" سے شروع ہوتی ہیں۔ اِن میں سے دو سورتیں بائیسویں پارہ میں السبا اور الفاطر ہیں۔

قرآنِ مجید کا ہر لفظ خدا کی وحی و الہام ہے۔ اِس کی ترتیب منزّل علیہ نے خدائی منشاء کے تحت دی۔ اگر اِس کتاب پر تدبّر اور غور و فکر کی جائے تو قاری گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ قرآن کا اسلوب پڑھنے والے پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ ایک صبح سورہ سبا کے اِن الفاظ پر آ کر رُک گیا بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ایک پاکیزہ شہر اور غفور خدا۔ یہ کونسا شہر تھا کیسا صاف و پاکیزہ تھا اور ربٌّ غفور سے کیا تعلق۔

سورہ سبا کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے دو عظیم الشّان نبیوں کا ذکر فرمایا ہے جنہیں نبوّت کی نعمت کے ساتھ دنیوی شان و شوکت بھی خدا نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت داؤدؑ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہم نے انہیں فضیلت عطا کی تھی۔ پہاڑ اور پرندے اُن کے ساتھ تھے۔ لوہے کو پگھلانے اور اس سے زرہ بنانے کا فن انہیں عطا کیا گیا تھا۔ السبا آیت ۱۱، ۱۲۔ پہاڑوں اور پرندوں سے عظیم دنیوی اور روحانی شخصیتیں ہیں۔ جنگی سامان کی تعمیر کا فن بھی انہیں عطا ہوًا تھا۔

حضرت داؤدؑ کے بعد اُن کے عظیم بیٹے اور جانشین حضرت سلیمانؑ کا ذکر ہے۔ اُن کے بارہ میں فرمایا انہوں نے شاندار بحری بجرے بنائے۔ اللہ کی تقدیر سے لمبا لمبا عرصہ ہوائیں اُن کے بادبانوں کے موافق چلتیں۔ مفسّرین نے ہواؤں سے مراد تیز تر گھوڑے ہی لئے ہیں۔ تانبے کے چشمے ان کے وقت میں دریافت ہوئے۔ بڑے بڑے قبائلی سردار اُن کے ماتحت تھے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں شیاطین سے مراد قوی مرد ہی لئے ہیں۔ ان کے وقت لوہے کے بڑے بڑے عظیم برتن ڈھالنے کے کارخانے قائم تھے۔ آیت ۱۳، ۱۴۔ اِن آیات میں اُن کے بڑے بڑے حوض یعنی پانی کے تالابوں کا بھی ذکر ہے جن سے آب پاشی میں مدد لی جاتی۔ خاکسار نے اپنے سفر میں ان تالابوں کو دیکھا ہے۔ انہیں برکۃ سلیمان ہی کہتے ہیں۔ بہت سرسبز یہ علاقہ ہے بیت المقدس کے قریب ہی ہے۔

اِن دونوں انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کی قوموں کو نیک اعمال کے بجالانے کی تاکید فرماتا ہے اور بد اعمال پر انذار فرمایا وَاعْمَلُوا صَالِحًا مناسب حال اعمال بجالاؤ آیت ۱۲ اور فرمایا وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ جو ہمارے حکم سے کجی اختیار کرے گا ہم اُس کو عذاب سے لذّت آشنا کریں گے۔

ان دونوں انبیاء کے ذکر کے بعد پھر سولھویں آیت میں "سبا" کا ذکر ہے اور بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ پاکیزہ شہر اور ربِّ غفور کا ذکر ہے اِس آیت میں ان کے دائیں اور بائیں باغوں کا ذکر ہے اور خدا کے شکر کرنے کا انہیں حکم ہے۔

ملکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ ہمعصر تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے ہی بیت المقدس کی تعمیر کی۔ بنیاد اس کی حضرت داؤدؑ کے وقت میں ڈالی گئی تھی۔ اگرچہ معبد کے طور پر حضرت مسیحؑ سے قریباً ایک ہزار سال پہلے بھی اس کا ذکر آتا ہے (جغرافیہ قرآن کریم از مفتی محمد انتظام اللہ الشہابی ص۲۸) اور مسیحؑ کے بعد پہلی صدی عیسوی، دوسری صدی عیسوی اور چوتھی صدی عیسوی میں اس معبد یعنی مسجد اقصیٰ کو مسمار کیا گیا اس پر ہل چلایا گیا اور ۶۱۶ء میں تو پھر ایرانی اِس عظیم معبد پر قابض ہو گئے۔

سبا قوم جس کا ذکر اِس ضمن میں آتا ہے یہ یمن کا علاقہ تھا جہاں سبا قوم آباد تھی۔ یہ بارہ سو قبل مسیح سے ۱۱۵ قبل مسیح تک رہی اِس سلطنت کا بانی عبد الشمس ملقب بہ سبا تھا جس کا بیٹا حمیر تھا (مروج المسعودی جلد ۱ ص۱۹۳) حارث المرائش نے سبا اور حضرموت کی حکومتوں کو ایک کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبابؓ مبتلائے آلام کی درخواست پر کہ یا رسول اللہ آپ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں کرتے۔ خدا سے مدد کیوں نہیں چاہتے تو آپؐ نے فرمایا تھا تم سے پہلے لوگ آروں سے چیر دیئے گئے۔ لوہے کی کنگھیوں سے گوشت اُن کے جسموں سے نوچ لئے گئے پھر بھی وہ دین سے نہ پھرے۔ پھر صادق و مصدوق نے فرمایا خدا کی قسم اللہ اپنے مقصد کو پُورا کر کے رہے گا۔ ایسے پُر امن ایّام آئیں گے کہ مسافر صنعا (یمن) سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا۔ (بخاری باب ذکر مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المشرکین بمکۃ)

ان میں سے ہی یمن میں ذو القرنین بادشاہ ہوئے ہیں جن کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور انہوں نے یاجوج و ماجوج کی وجہ سے بحیرہ خزر کے کنارے جبل طے کے درّہ کو بند کر کے انہیں اغیار سے محفوظ کیا۔ ذو القرنین کے بعد مختلف بند آبپاشی کے لئے بھی بنائے گئے۔ تبابعہ بادشاہوں میں سے چھبیس ۲۶ نے سترہ سو سال تک حکومت کی۔ ملکہ سبا بھی اِسی خاندان سے تھی۔ اس کے وقت میں زراعت نے بہت ترقی کی

آب پاشی کے لئے سدِ عرم یعنی پانی کے بند کثرت سے تھے۔ اس کا صدر مقام مارب تھا جو صنعا کے جنوب مشرق میں ہے۔

آٹھ سو قبل مسیح شہر مارب کے جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑیاں بلق کے نام سے ہیں بیچ میں وادیٔ اذنیہ ہے اس میں عظیم بند تعمیر کیا جو مختلف بادشاہوں کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچا۔ اس بند میں بانیان کے نام کے کتبے لگے ہوئے ہیں۔ کتاب ارض قران میں اس بند کی نقل موجود ہے۔ (تاریخ عرب قوم للعلامہ عبداللہ لعماری)

یہ بند عرم ایک سو پچاس فٹ طویل اور پچاسی فٹ عریض تھا۔ سنہ ۳۰۳ھ میں غلام ہمدانی نے اِس بند کو دیکھا سنہ ۱۸۷۰ء میں یورپین سیاح ارناڈ نے بند کے افتادہ حصہ کو دیکھا اور سنہ ۱۸۷۴ء میں فرنچ ایشیائیک سوسائٹی کے رسالہ میں مضمون لکھا کہ کس طرح نظامِ آب رسانی سے دائیں بائیں دونوں جانب تین سو مربع میل میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی۔

پاکیزہ شہر: سنہ ۱۲۰ء میں حکومت سبا، حمیری اسی بند کے ٹوٹنے سے تباہ ہوئی اور قوم منتشر ہو گئی۔ قبائل بکھر گئے۔ قومِ مارب کے شہر کے متعلق مفسّرین نے لکھا ہے کہ بلدۃٌ طیّبۃٌ و ربٌّ غفور کے معنے یہ ہیں کہ یہ شہر اتنا صاف ستھرا اور پاکیزہ تھا کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

بلدۃٌ طیّبۃٌ ای طاھرۃٌ من الموذیات لاحیّۃ و عقرب ولا دبا

کہ اِس شہر میں کیڑے مکوڑے، بچّھو، سانپ اور وبائیں نہ تھیں۔

تفسیر طبری میں لکھا ہے :-

ولم یکن یرٰی فی قریتھم بعوضۃ قطّ ولا ذباب ولا برغوث ولا عقرب ولاحیۃ

کہ قومِ مارب کی بستیوں میں نہ مچھر تھا نہ مکّھی نہ کھٹمل نہ بچھو نہ سانپ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ زمین میں کلّر بھی نہ تھا یہاں مختلف قبیلے بستے تھے بعض کے نام مفسّرین نے لکھے ہیں۔ کندہ، حمیر، ازد، اشعری، اناز، خثعم۔ وغیرہ۔

ربٌّ غفور کی تشریح میں لکھا ہے ای لاعقاب علیہ ولا عذابٌ فی الاٰخرۃ۔ وہ امن پسند لوگ تھے جرائم پیشہ نہ تھے۔

اندازہ فرمائیے اگر ہزاروں سال پہلے ایسے شہر آباد کئے جا سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُن کا ذکر قرآن پاک میں فرماتے ہیں تو اس کا ماحصل اور مقصد یہی ہے کہ ہم کوشش کریں اور اپنے شہروں کو ایسے مثالی بنائیں اللہ نے اِس سورۃ میں اِسے ان کے دائیں بائیں بکھری جنّت قرار دیا ہے۔ وہ لوگ خوش باش بس رہے تھے۔ پھلوں کی کثرت تھی۔ یقیناً ایسی ادویہ کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہو گا جس کے نتیجہ میں کیڑے مکوڑے اور وباؤں کے پھیلانے والے جراثیم نہ تھے۔

مورخین لکھتے ہیں یہ عظیم بند ایک چوہے کے سوراخ سے تباہ ہؤا۔ چوہے نے سوراخ کیا وہ سوراخ بڑھا اور یہ ہستی بستی بستیاں تباہ ہوگئیں۔ فرمایا:۔

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَىۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ۝ (سبا آیت ۱۷)

اِس قوم نے اللہ کے ارشادات سے مُنہ موڑا تو سیلِ عرم خدا نے ان پر بھیجا جس کے نتیجہ میں اُن کے وہ پھلدار لہلہاتے باغات تباہ ہوگئے اور کئی سال کی ویرانی کے باعث پھر اُس زمین میں بدمزہ پھلوں والے درخت اور بیر کے درخت اُگ آئے۔ خمط کانٹے والے درختوں، کڑوے پھلوں والے درخت اور ہر اُس درخت کو کہتے ہیں جس کے پھل کھائے نہ جاسکیں۔ (تفسیر کبیر زیر آیت ہٰذا)

فرمایا یہ کیوں ہؤا۔ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَهَلۡ نُجٰزِىۡۤ اِلَّا الۡـكَفُوۡرَ ۝ آیت ۱۸۔ یہ اُن لوگوں کی کفرانِ نعمت کی وجہ سے ہؤا جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کی قومیں ناشکری کرتی ہیں تو پھر تازیانۂ عبرت کبھی کسی صورت میں کبھی کسی شکل میں کبھی کسی ہیئت میں اِس طرح پُشت پر برستا ہے کہ کمرے کے مہرے شکستہ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کو سمجھنے، قوموں کے اچھے اعمال کی توفیق جن کے نتیجہ میں خدا کے انعامات برستے ہیں اور اُن کفرانِ نعمت سے بچائے کہ ان کا ارتکاب پھر نعمتوں کے سلب کا موجب بنتا ہے۔

خوب یاد رکھو

حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"خوب یاد رکھو اور اس کو سچ سمجھو کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ پس اگر ہم عمدہ حالت میں یہاں سے کُوچ کر جاتے ہیں تو ہمارے لئے مبارکی اور خوشی ہے ورنہ بہت خطرناک حالت ہے۔ یاد رکھو کہ جب انسان بُری حالت میں جاتا ہے تو مکانِ بعید اس کے لئے یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب)

خالد محمد خالد کی کتاب
"بارگاہِ عمرؓ میں" کا تیسرا باب

اِس لئے کہ تو امیر المؤمنین کا بیٹا ہے

(عمرؓ)

مصنف ہر باب کا عنوان حضرت عمرؓ کا کوئی فقرہ تجویز کرتے ہیں، مصنف رقمطراز ہیں:-

"ہم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کو کیسی ممتاز اور عمدہ طبیعت عطا کی۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ اس طبیعت کا کس طرح خدا سے تعلق قائم ہوا اور عمرؓ نے اِسے خدا کے حضور پیش کر دیا۔

جس انسان کو یہ سعادت نصیب ہو جائے اس کا احساس مسئولیت بھی بہت تیز و سخت ہو گا اور یہ انسان عمرؓ تھے۔

مسئولیت کے احساس سے آپ کی جبین عرق آلود ہے۔ اِس کا احساس ہر وقت دامنگیر ہے۔ اور مسئولیت آپ کے نزدیک منقسم نہیں متنوع نہیں۔

مسئولیت چھوٹی بڑی نہیں۔ عام، خاص نہیں۔

وہاں تو ہر امر کی مسئولیت ہے اور بس۔

اور اِس مسئولیت کا سامنا ہے عمرؓ کو۔ اِس لئے ان کی مضبوط، امین، مومنہ طبیعت ہر عمل میں پوری کوشش کرتی ہے۔

اُدھر عمرؓ کی طبیعت بھی منقسم نہیں اس کے اجزاء نہیں۔ عمرؓ کے ہر عمل میں آپ پورے کے پورے عمرؓ کو پائیں گے۔

عمرؓ کی زندگی کے کسی واقعہ پر نگاہ ڈالیں آپ اُس میں عمرؓ کی تمام خوبیاں پائیں گے۔

آپ کا عدل، پرہیزگاری، زُہد، ایمان، سختی، نرمی عظمت اور جرأت اور آپ کی مسئولیت کا تصور یہ نہ تھا کہ مَیں نے اپنا ذمّہ ادا کر دیا ہے۔ آپ مجموعی مسئولیت کی ذمّہ داری کو قبول کرتے ہیں اور ساری مسئولیت اپنے ذمّہ لیتے ہیں۔ اور اس وقت یہ نہیں سوچتے کہ وہ اکیلے ہیں یا آپ کے ساتھ کوئی اَور بھی مددگار ہیں۔ فرائض کی ادائیگی میں آپ تن من سب جھونک دیتے ہیں اور انجام کی پرواہ نہیں کرتے۔

جس دن آپ نے اسلام کا اعلان کیا آپ مومنوں کی جماعت میں چالیسویں تھے۔ چند لحظوں میں آپ کے جرأت مند دل میں مسلمانوں اور دین کے مستقبل کے بارہ میں اپنی مسئولیت کا خیال آتا ہے۔ اس مستقبل کی مسئولیت کا جو آنے والی صدیوں اور زمانوں میں پیش آتا تھا۔

اِس لئے آپ وہاں سے فوراً اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے لئے نکلتے ہیں جس کی تفصیل ہم پہلے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔

آپ جانتے تھے کہ اس وقت وہ صرف عمرؓ بن خطاب کے اسلام کا اعلان نہیں کر رہے بلکہ ان انتالیس احباب کے اسلام کا اعلان کرتے ہیں جو آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ اُن کا بھی جو مخفی اور چھپ کر عبادت کرتے ہیں بلکہ اُن لاکھوں مسلمانوں کا بھی جو مستقبل میں اسلام لائیں گے۔

عمرؓ کی مسئولیت صرف اسلام کا اعلان کر کے رُک نہیں جاتی بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کو اُس فضا سے بھی نکالتی ہے جو قریش کی زیادتی کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ عمرؓ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہمیں نظر آتے ہیں

"یا رسول اللہ! خدا کی قسم آج کے بعد ہم چھپ کر خدا کی عبادت نہیں کریں گے۔"

چنانچہ دعوت وارشاد اپنے مدِمقابل سے دو دو ہاتھ کرتی ہے اور قریش کو پیغامِ حق پہنچایا جاتا ہے اب قریش کو دارِ ارقم میں گونجنے والی تکبیروں میں اپنی اور اپنے بُتوں کی موت کا اعلان سُنائی دیتا ہے۔

—— ✣ ——

یہ عمرؓ کی برکات میں سے پہلی برکت تھی۔

اور یہ اللہ کے دین کے بارہ میں عمرؓ کی مسئولیت کا پہلا نمونہ تھا۔

یہ نمونہ اور اسلوب اُس ہستی کا تھا جو اپنے آپ کو اکیلا مسئول سمجھتی تھی۔ ہر مشکل اور مہم جو اسلام اور مسلمانوں کو پیش آئے گی عمرؓ اُس کے سامنے سینہ سپر ہوگا اُسے حل کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔

مسئولیت کے بارہ میں اس کا یہ ایمان اِس پورے محاذ پر دین میں کسی کمزوری اور دین کے دشمنوں سے کسی نرمی کو قبول نہیں کرے گا۔

اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا شرط ایمان لانے کے باوجود عمرؓ کی یہ مسئولیت بعض اوقات اپنے مقدس آقاؐ کے سامنے جن پر آپ جان و دِل سے قربان تھے متحرک نظر آتی ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ جو شرائط کفار کی تسلیم کی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی کمزوری پر دال ہیں۔ عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ ہمیں ہر حالت میں مکہ میں داخل ہونا چاہیئے۔ حق اور باطل میں معرکہ آزمائی ہونی چاہیئے۔ حق و صداقت کا تقاضا ہے کہ صلح کرنے کی بجائے غلبہ ہو اور کفر سے مقابلہ ہو۔ اس لئے صلح کی شرائط تحریر کئے جانے سے قبل وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں :

یارسول اللہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کیا ہمارے مقتول جنّت میں اور اُن کے جہنّم میں نہیں ہوں گے ؟

بارگاہِ رسالت سے ارشاد ہوُا۔ کیوں نہیں۔

اِس پر عمرؓ نے کہا پھر ہم دین کے بارہ میں کمزوری کیوں دکھائیں ہم دیکھتے ہیں خدا ہمارے اور ان کے درمیان کیا فیصلہ فرماتا ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابنِ خطاب! مَیں خدا کا رسول ہوں اللہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

"مَیں خدا کا رسول ہوں" کے الفاظ اِس مقام پر عمرؓ کے کانوں میں گونجے اور دل میں اُتر گئے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجرّد رائے کی کیا حیثیت۔ اِس لئے آپ خاموش ہو گئے۔

لیکن پھر دل میں خیالات کا ہجوم ہوتا ہے مسئولیت کا احساس غالب آتا ہے۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آہستہ سے آپ کے کان میں کہتے ہیں :

ابوبکرؓ! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں عمرؓ کیوں نہیں۔

پھر ہم دین کے بارہ میں کیوں کمزوری دکھائیں۔ ہم کیوں نہ مشاہدہ کریں کہ خدا ہم میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔

ابوبکرؓ تو مطمئن تھے کہ خدا کی نصرت و تائید اپنے رسول کے ساتھ ہے۔ تائیدِ خداوندی کبھی آپ سے الگ نہیں ہوتی اور خدا کی طرف سے فتح جلد آنے والی ہے۔

عمرؓ پُرسکون ہو جاتے ہیں لیکن قریش کے مندوب سہیل بن عمرو کو اِس طرح دیکھتے ہیں کہ آپ کی آنکھیں شعلہ بار ہیں۔

اور جب عبداللہ بن ابیّ بن سلول مدینہ کے منافقین کا سردار مرا تو حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے جنازہ نہ پڑھنے کا اصرار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ واقعہ خود حضرت عمرؓ کی زبان سے سُنیئے۔

"جب عبداللہ بن ابیّ فوت ہو گیا تو حضورؐ کی خدمت میں نمازِ جنازہ کے لئے اطلاع بھجوائی حضورؐ اس کا جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو مَیں آڑے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے دشمن کا جنازہ پڑھائیں گے؟ اور مَیں اُس کے بُرے کام گنوانے لگ گیا۔ حضورؐ مُسکراتے رہے۔ جب مَیں نے بہت اصرار کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔ عمر! ہٹ جاؤ۔ مجھے خدا نے اختیار دیا ہے کہ تو ان کے لئے بخشش طلب کر یا نہ کر۔ اگر آپ ستر دفعہ بھی استغفار کریں گے تو مَیں ان کو بخشنے کا نہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے ستّر بار سے زیادہ استغفار پر خدا اسے بخش دے گا تو مَیں ستر سے زیادہ بار اس کے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ چنانچہ حضورؐ نے اُس کا جنازہ پڑھا۔ قبر تک تشریف لے گئے تدفین سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل اِس جرأت پر بہت تعجب ہُوا لیکن خدا کی قسم ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی "اِن میں سے کوئی مر جائے تو نہ اُس کا جنازہ پڑھیں نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔"

(التوبہ آیت ۸۵)

چنانچہ اس کے بعد اپنی وفات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نہ نمازِ جنازہ پڑھی نہ اُس کی قبر پر دعا کی۔"

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ عمرؓ اپنی ذمہ داریوں کو کِس جرأت اور صدق و وفا سے ادا کرتے۔ دُنیا کے تمام خطرات اُن کے نزدیک زیادہ آسان تھے بہ نسبت اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "نہ" میں جواب دیں لیکن عمرؓ وہ انسان تھے کہ اپنی مسئولیت کے بالمقابل انہیں کوئی اختیار نہ تھا۔ جب وہ یہ سمجھتے کہ اُن پر واجب ہے کہ "نہ" کہیں تو وہ نہ کہتے اور معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے۔ اور جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں تو عمرؓ وہی کہتے ہیں جو رسولِ خدا فرماتے ہیں اور اپنی ذمہ داری سے بَری ہیں اور اس کے بعد عمرؓ کے سامنے سوائے اطاعت اور ایمان کے اَور کوئی رستہ نہیں۔

اِس واقعہ میں عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ عبداللہ بن اُبیّ جیسے رئیس المنافقین کا اگر حضورؐ جنازہ پڑھیں تو اس سے منافقین کو منافقت پر مزید جرأت ہو گی اور بہت سے لوگوں یا کچھ لوگوں کا جذبۂ وفا و اخلاص کمزور ہو گا۔ اس لئے آپ کی مسئولیت کی عظمت تقاضا کرتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اس رائے کا اعلان کریں۔ حضورؐ اُس کی نعش پر کھڑے ہیں۔ عمرؓ درمیان میں آ جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں:

"یا رسول اللہ کیا خدا کے دشمن کا آپ جنازہ پڑھائیں گے"۔

اور جب آپ امیر المؤمنین ہو گئے تو آپ کی مسئولیات پہلے سے زیادہ اُجاگر نظر آتی ہیں۔ اس وقت آپ کی انسانیت بہت ممتاز نظر آتی ہے۔ ہمیں ذکاوتِ نفس، جرأتِ رُوح اور ایسی معجزانہ روش نظر آتی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی دل پر اُس کا گذر ہوا۔

ہاں ہاں اُس وقت عمرؓ کی نفسی عظمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اُس وقت عمر ــــ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عمرؓ ایسے حاکم ہیں کہ اُن کی مسئولیات کی طرز انوکھی ہے۔ آپ قیامت تک کے اِنسان کو امانت، ذمہ داری اور نیک نمونہ کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

اور یہ تھا آپ کا اپنے متعلق، اپنے اہل وعیال، ضعیف، قوم اور اُمّت کے طاقتور، اپنے والیوں اور اُمّت کے مال کے بارہ میں موقف۔ آپ کا موقف ان سب مواقع پر عدیم المثال تھا۔ آپ کا موقف یہ تھا کہ حکومت ایک امانت ہے اور آپ اس کے لئے مسئول ہیں۔

آپ ایسے حاکم تھے کہ آپ نے صرف ان طیّبات کو اپنے لئے ممنوع قرار نہیں دیا تھا جو حاکموں کے لئے روا تھیں بلکہ اُن اچھے کھانوں اور لذتوں اور آسائشوں کو بھی جو ہر زمان و مکان میں عام ہموطن کو میسّر تھیں۔

آپ نے مسئولیت کی اس رُوح کے تحت ایسا کیا کہ آپ پسند کرتے تھے جب قوم بھوکی ہو تو وہ بھی بھوکے رہیں اور جب وہ سیر ہوں تو آپ سیر ہونے والے آخری آدمی ہوں۔ مسئولیت کی یہی رُوح تھی کہ آپ نے فرض کر لیا تھا کہ لوگ جو محنت اور تنگی برداشت کریں آپ بھی کریں ــــ عمر رضی اللہ عنہ کی اِس قوی ضمیر کی تصویر کشی اس فلسفیانہ قول سے ہوتی ہے۔ آپ فرماتے تھے:

"مجھے لوگوں کی حالت کا احساس کیسے ہو گا جب تک مجھ پر وہ حالت وارد نہیں ہوتی جو اُن کی ہے"۔

اور یہی حالت ہم نے امیر المؤمنین کی دیکھی۔ بازار میں گھی اور گوشت کی بہت قلت ہے لوگ زیتون اور اُس کے تیل پر گذارہ کر رہے ہیں۔ ابنِ خطّاب کی بھی وہی حالت ہے جو لوگوں کی۔ یہاں تک کہ پیٹ گڑ گڑ کر رہا ہے۔ درد ہو رہی ہے۔ لیکن عمرؓ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں

"پہلوان! جب تک گھی کھُلے بندوں بازار میں میسّر نہیں ہو گا تیری یہی حالت رہے گی"۔

مدینہ میں ایک سال قحط پڑا۔ اِسے "عام الرمادة" کہا جاتا ہے۔ یہ شدید قحط سالی کا سال تھا بیت المال کے چند اُونٹ ذبح کروا کر اُن کا گوشت لوگوں میں تقسیم کروایا گیا۔ جن کے سپرد یہ کام تھا انہوں نے

جلد ۲۶ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۴،۳

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اِس کا علاج

عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ نجات کیسے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

(۱) اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ — اپنی زبان کو روکے رکھ

(۲) لِيَسَعْكَ بَيْتُكَ — اپنے گھر میں قیام کر

(۳) وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ — اپنی خطاؤں، کوتاہیوں پر آنسو بہاؤ۔

(ترمذی ابواب الزھد باب جاء فی حفظ اللسان)

دُعاؤں سے تقدیر ٹل سکتی ہے، بدل سکتی ہے سوائے اِس کے کہ تقدیر مبرم ہو، اٹل ہو۔ دُکھی دلوں کی عا[illegible]انہ دعائیں جب عرشِ الٰہی سے ٹکراتی ہیں تو درِ قبولیت اُن کے لئے وا کیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبول دعاؤں میں سے ایک دعا مظلوم کی قرار دی ہے۔ مظلوم جب مظلومیت کا رونا اپنے خدا کے حضور روتا ہے تو ماں سے شفیق خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ جب صاحبِ ایمان دل کی گہرائیوں سے آسمانی باپ کے حضور مَتٰی نَصْرُ اللّٰہ کا نعرہ بلند کرتا ہے کہ خداوندا تیری مدد کب آئے گی تو آستانہ الوہیت سے اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْب آسمانی مژدہ سُنائی دیتا ہے کہ سُنو! سُنو! میری مدد قریب ہے۔

مذہبی انقلاب ہمیشہ خدا کی منشاء اور خدا کے عاجز اور مقبول بندوں کی دعاؤں سے وقوع پذیر ہوئے لیکن وہ مدد اپنے بندوں کی کرتا ہے اُن بندوں کی جو ہر لبادہ اُتار کر خدا کی عبودیت کا لبادہ اوڑھ لیں۔ وہ

اچھا سا گوشت امیرالمؤمنین کے گھر بھی بھجوا دیا۔ دوپہر کے کھانے پہ آپ بیٹھے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کے سامنے اُونٹ کے کوہان اور جگر کا حِصّہ ہے۔ آپ نے فرمایا

یہ کہاں سے آیا؟ عرض کی گئی آج جو آپ نے اُونٹ ذبح کروائے تھے۔

یہ سُنا تو دسترخوان کو پرے ہٹا دیا۔ فرمایا

"واہ واہ۔ لوگ ہڈیاں چچوڑیں اور مَیں عمدہ گوشت کھاؤں؟ یقیناً مَیں بہت بُرا والی ہوں"

یہ فرمایا اور اپنے خادم اسلم کو آواز دی۔ اُسے کہا

اسلم! یہ پلیٹ اُٹھا لو اور میرے لئے زیتون کا تیل اور روٹی لے آؤ۔

آپ کا یہ قول "اگر مَیں نے اچھا حصّہ کھایا تو مَیں بہت بُرا والی ہوں" آپ کی کامل روشن مسئولیت کی تصویرکشی کرتی ہے جو اس عدیم المثال حاکم کے تصرفات پر حاوی تھی۔

عمرؓ وہ آدمی تھے کہ جب آپ والی ہوئے۔ اللہ نے متبعین کی کثرت عطا کی۔ اللہ نے آپ کو خلافت کے منصب سے سرفراز فرمایا لیکن آپ نے اپنے لئے کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔

باوجود اِس کے کہ عمرؓ امیرالمؤمنین ہیں۔ آپ شدید محنت اور مشقّت برداشت کرتے ہیں۔ اِس امر کا تقاضا تھا کہ آپ کی غذا اچھی ہو۔ کوئی جسمانی کمزوری لاحق نہ ہو —— یہ ہماری منطق ہے اور ہماری رائے میں منصفانہ منطق لیکن عمرؓ کی منطق اور ہے۔ وہ تو عدل و انصاف کی اُس بلند چوٹی پر تھے کہ اُس تک پہنچتے پہنچتے لوگوں کی جان نکل جائے۔

آپ سمجھتے تھے کہ آپ کی مسئولیت کا تقاضا ہے کہ لوگوں کی معیشت بہتر ہو۔

اور یہ نہیں ہو سکتا تھا جب تک آپ تنگی تُرشی برداشت نہ کریں۔

ایک روز آپ کے ایک والی نے آذربائیجان سے آپ کی خدمت میں مٹھائی بھجوائی جب آپ کے سامنے رکھی تو قاصد سے آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ قاصد نے کہا آذربائیجان کے لوگ یہ مٹھائی بناتے ہیں۔ عمرؓ نے چکھا تو مٹھائی بہت لذیذ تھی۔ قاصد سے پوچھا کیا وہاں تمام مسلمانوں کو یہ میسّر ہے۔ قاصد نے جواب دیا نہیں یہ خواص کی خوراک ہے۔

عمرؓ نے برتن کو اچھی طرح بند کر کے قاصد کو کہا تیری سواری کہاں ہے؟ جاؤ یہ مٹھائی عتبہ کو واپس کر دو اور کہو عمرؓ کا تجھے یہ پیغام ہے:

"خدا کا خوف کر۔ جس سے تُو سیر ہوتا ہے مسلمانوں کو بھی اُس سے سیر کر۔"

یہ وہ حاکم ہے کہ شہ نشین پر نہیں بیٹھتا۔ قافلہ کی اگلی صفوں میں صرف اُس وقت دکھائی دیتے ہیں جب

شدید خطرہ ہو ورنہ آپ انہیں پچھلی صفوں میں قافلہ کی چوکیداری کرتے دیکھیں گے۔

اگر کسی نعمت کا سامنا ہو تو عمرؓ اُس وقت اُس سے ممتنع ہوں گے جب سب لوگ اس سے حصہ پائیں۔

جب عمرؓ کا موقف اُن کے خاندان اور اہل وعیال کے متعلق ہم ملاحظہ کریں تو مسئولیت کا تقدس ہمیں اور نمایاں نظر آتا ہے۔

وہ اپنے حق کے سوا کچھ نہیں لے سکتے اپنا جائز حق ہی لے سکتے ہیں۔ یہاں دوسرے حاکموں کی نسبت آپ کی مسئولیت کئی گنا زیادہ نظر آتی ہے۔ گویا عمرؓ کی قرابت کا کوئی فائدہ نہیں۔

امیر المؤمنین جانتے تھے کہ حکومت کی امانت کا یہاں امتحان ہوتا ہے ..... حاکم کا اپنے خاندان سے کیا تعلق ہے۔ کیا اُن کے لئے الگ قانون ہے اور لوگوں کے لئے الگ۔ کیا وہ اور لوگ قانون اور انصاف کی نظر میں مساوی ہیں۔ چنانچہ اِس بارہ میں عمرؓ کی مسئولیت ہمیں مثالی نظر آتی ہے۔

بسا اوقات عمرؓ نے انہیں تنگ حالی کی ترغیب دی۔ بسا اوقات ان کے ہاتھ سے چھینا بلکہ مُنہ سے لقمہ اُگلوایا۔

اگر عمرؓ کو یہ پتہ چلا کہ آپ کے خاندان میں سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا تو زمین ہل جاتی آسمان گردش میں آجاتا۔

جب کبھی کوئی قانون وضع کیا۔ کسی امر سے روکا تو سب سے پہلے اپنے خاندان کو جمع کیا اور کہا :

"مَیں نے لوگوں کو فلاں فلاں بات سے منع کیا ہے اور لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کو۔ اگر تم اُس پر ٹوٹ پڑے تو وہ بھی ایسا کریں گے۔ اگر تم ڈرے وہ بھی ڈریں گے۔ خدا کی قسم جس سے مَیں نے لوگوں کو منع کیا ہے اگر مَیں نے تم میں سے کسی کو اُس کا مرتکب پایا تو بوجہ اپنی رشتہ داری کے دوہری سزا دوں گا۔ اب جو چاہے آگے بڑھے اور ایسا کرے جو چاہے پیچھے ہٹ جائے۔"

آپ نے اِس فقرہ پر غور کیا :

"اپنی رشتہ داری کی وجہ سے دوہری سزا دوں گا"

کہ عمرؓ کی قرابت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شخص انصاف سے بالا ہے اور قانون اُس کے لئے معطّل ہے بلکہ مسئولیت کی وجہ سے دوسروں کی نسبت قانون اس کے لئے زیادہ سخت ہے۔ یعنی وہ ہر شبہ سے بالا رہے ہر فائدہ سے دُور رہے۔ ہاں خطرہ کے وقت یہ رشتہ دار آگے بڑھیں اور فائدہ کے وقت پیچھے۔

اِس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر عمرؓ اپنے بیٹے عبداللہ کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے نظر آئیں حالانکہ عبداللہ زہد پرہیزگاری اور تقویٰ میں لوگوں کے لئے نمونہ تھے۔ وہ اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے۔ ہر شعبہ سے بالا رہنے کی کوشش کرتے۔ اِس کے باوجود اگر زندگی کی ادنیٰ آسائش سے متمتع ہوتے انہیں دیکھتے تو فرماتے :

اِس لئے کہ تُو امیر المؤمنین کا بیٹا ہے ؟؟

یہ فقرہ اِس لئے کہ تُو امیر المؤمنین کا بیٹا ہے حضرت عمرؓ کے خاندان کے لئے شعار بن گیا تھا (شعار کے لفظی معنے نشان کے بھی ہیں اور رات کے اُس معیّن کلمہ کے بھی ہیں جس کا پہریداروں کو علم دیا جاتا ہے)

ایک دن آپ اپنے بیٹے عبداللہ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا بیٹا کھانے میں پسندے کھا رہا ہے۔ آپ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا

"لوگ بچے کھچے انگور اور نمک سے روٹی کھا رہے ہیں اور تُو گوشت کھا رہا ہے اِس لئے کہ تُو امیر المؤمنین کا بیٹا ہے"

ایک دن آپ بازار کے معائنہ کے لئے نکلے آپ نے دیکھا کچھ اونٹ دوسرے اُونٹوں سے ممتاز موٹے تازے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کس کے اُونٹ ہیں۔ عرض کیا آپ کے بیٹے عبداللہ کے۔ حضرت عمرؓ کا بدن کانپ گیا گویا قیامت آ گئی۔ فرمایا

"عبداللہ بن عمرؓ۔ واہ واہ امیر المؤمنین کے بیٹے"

فوری طور پر عبداللہ کو بُلوا بھیجا۔ عبداللہ دوڑتے ہوئے آئے۔ جب وہ اپنے والد کے سامنے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ اپنی مُونچھ کو تاؤ دینے لگ گئے۔ یہ آپ کی عادت تھی۔ جب کوئی غم و فکر کی بات ہوتی آپ ایسا کرتے۔ آپ نے پوچھا عبداللہ یہ اُونٹ کیسے ہیں ؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا میرا یہ کاروبار ہے مَیں کمزور اُونٹ خرید لیتا ہوں پھر انہیں چراگاہ میں چھوڑ دیتا ہوں جب اُونٹ اچھے ہو جاتے ہیں مَیں بیچ کر نفع کما لیتا ہوں اور دوسرے کچھ مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

"لوگ جب ان اُونٹوں کو دیکھتے ہوں گے کہتے ہوں گے ..... امیر المؤمنین کے بیٹے کے اُونٹ ہیں چرنے دو ..... چھوڑ دو امیر المؤمنین کے بیٹے کے اُونٹ ہیں۔ اِس طرح تیرے اُونٹ چراگاہ میں کھلے رہ کر موٹے ہو جاتے ہوں گے اور امیر المؤمنین کے بیٹے! تُو نفع کما جاتا ہے۔"

پھر بآوازِ بلند کہا :

اے عبداللہ بن عمرؓ ! جتنے کو تو نے اونٹ خریدے تھے وہ تیرا راس المال ہے وہ لے لے اور اُونٹ بیچ کر باقی رقم بیت المال میں جمع کرادو۔

اے اس انسان کے خالق ! تُو کتنا پاک ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کوئی انوکھی بات تو نہ کی تھی اُس نے حلال مال سے جائز تجارت کی تھی۔ وہ اپنی دینداری اور امانت کی وجہ سے ہر شُبہ سے بالا تھا۔

لیکن چونکہ وہ امیر المؤمنین کا بیٹا تھا اس لئے امیر المؤمنین اُس کے حق سے بھی اُسے محروم قرار دیتے ہیں۔ اس خیال سے کہ عمرؓ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اِسے وہ میسّر آیا جو دوسروں کو میسّر نہیں۔

یہ حاکم میزانِ عدل تھامے ہوئے کوشاں ہے کہ اُس کے خاندان میں صرف قابلیت اور خوبیاں ہوں وہ ان کو مجبور کرتے ہیں کہ اُن کے ساتھ تلوار سے تیز اور بال سے باریک راہ پر گامزن ہوں۔ گویا عمرؓ کی قرابت اُن کے لئے خوشحالی نہیں مصائب کا باعث ہے۔

ایک روز سلطنت سے مدینہ میں اموال آئے۔ آپ کی بیٹی آپ کی خدمت میں اپنا حصہ لینے کے لئے حاضر ہوئی اور کہا

امیر المؤمنین ! تیرے اقارب کا بھی اِس مال میں حصہ ہے کہ اللہ نے اقارب کے بارہ میں بھی تاکید فرمائی ہے۔

آپ نے سنجیدگی سے جواب دیا :

اے بیٹی ! میرے اقرباء کا حق میرے مال میں ہے لیکن یہ مال مسلمانوں کا ہے اُٹھ اپنے گھر جا۔

یہ وہ شخص ہے جس کی تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ہوئی تھی کہ لوگوں نے کئی دفعہ دیکھا اور سُنا کہ آپ نے فرمایا فاطمہؓ بتول مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے۔

فاطمہؓ ! ہمیں اِس مال کے تجھ سے زیادہ محتاج موجود ہیں۔

اور آپ فاطمہؓ کو محروم رکھتے ہیں اور دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

اِس نہر سے عمرؓ سیراب ہوئے تھے اور اس راہ پر وہ چلے۔

آپ اپنے اہل و عیال اور اقارب سے یہی کہتے کہ حصّہ کی بجائے مسئولیت کی بلندی پر قائم ہوں۔ آپ چاہتے تھے کہ وہ حقوق کی ادائیگی میں آپ کے مددگار ہوں اور اِس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ زیادہ محنت کریں وہ زیادہ دیں اور تھوڑا لیں اور اللہ سے اچھے ثواب کی انتظار کریں۔

ہاں ہاں وہ تنگدستوں اور محروموں کے لئے نمونہ ہوں۔

جب مسلمانوں کو آپ کے عہد میں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی سے نوازا اور بیت المال مال سے بھر گیا تو بعض صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ مردم شماری کروائی جائے اور رجسٹر میں سب نام محفوظ کئے جائیں اور ان کے روزینے مقرر کئے جائیں۔

اِس کام کے لئے عقیل بن ابی طالب، جبیر بن مطعم اور مخرمہ بن نوفل کو مقرر کیا کیونکہ انہیں قریش کے حسب و نسب کا عِلم سب سے زیادہ تھا اور یہ مسلمانوں کو بھی خوب جانتے تھے۔

انہوں نے فہرست میں سب سے اوپر بنی ہاشم کو پھر آل ابی بکر کو پھر بنی عدی آل عمرؓ کو رکھا۔

جب امیر المؤمنین عمرؓ نے یہ فہرست دیکھی تو واپس لوٹا دی کہ آلِ عمرؓ پر دوسروں کو مقدم کرو۔ ان کے صرف نام اور خاندان کا ذکر کرو۔ فرمایا

"عمرؓ اور اُس کی قوم کو اُن کی جگہ پر رکھو"

آپ کے قبیلہ بنو عدی کو علم ہوا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ہمارے نام شروع میں رکھے جائیں تاکہ ہمیں وافر حصہ مل سکے۔ دلیل یہ دی کیا ہم امیر المؤمنین کے خاندان کے نہیں ؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا

بنی عدی! خوب۔ میری وجہ سے کھانا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ اپنی نیکیاں تمہیں دیدوں؟

نہیں۔ خدا کی قسم تمہیں اپنی جگہ پر رہنا ہوگا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا امیر المؤمنین کی قرابت کے معنے ترجیح اور خوشحالی نہیں محنت اور سادہ زندگی ہے۔

امیر المؤمنین نے اپنے صحابہ اور بھائیوں کے اصرار کے باوجود عبداللہ کو حکومتی عہدوں سے کوئی عہدہ دینے سے انکار کر دیا۔ صرف اِس سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ اپنی وفات کے بعد اس کے سپرد خلافت کی زمام سے بھی انکار کیا بلکہ اُن چھ آدمیوں میں انہیں شامل کرنے سے انکار کر دیا جن میں سے خلیفہ منتخب کرنے کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ فرمایا

"آلِ عمرؓ میں سے یہی کافی ہے کہ ایک ہی کا محاسبہ کیا جائے اور وہ ہے عمرؓ"

کئی دفعہ عمرؓ سے یہ بھی کہا گیا "امیر المؤمنین آپ کا بیٹا عبداللہ متّقی اور منصف ہے کیا اس کا اور لوگوں کا جن کو ایسا سعید والی ملے گا گناہ ہے کہ وہ امیر المؤمنین کا بیٹا ہے؟"

جواب ملتا۔ عبداللہ اکیلا ہی متّقی اور منصف نہیں مسلمانوں میں اُس جیسے اور بھی متّقی اور منصف موجود ہیں اگر اُن پر عبداللہ کو ترجیح دوں تو یہ انصاف نہیں ہوگا۔

پھر عمرؓ دوسروں کے لئے نمونہ ہے۔ اگر آج اپنے عزیزوں کو حاکم مقرر کرے تو پھر لبعد میں آنے والے حکّام اپنے عزیزوں کے بارہ میں حدود سے یہ کہتے ہوئے تجاوز کریں گے کہ عمرؓ نے ایسا کیا تھا اِس لئے آپ نے یہ اصول وضع فرمایا:

"جس نے کسی شخص کو محض اپنی ذاتی محبّت یا قرابت کی وجہ سے عہدہ دیا اُس نے اللہ اور رسولؐ سے خیانت کی۔"

اِس لئے اگر وہ اپنے بیٹے عبداللہ کو والی مقرر فرماتے جو آپ نے نہیں کیا تو یہ اُن کے استحقاق کی وجہ سے کرتے اپنے بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں۔ لیکن اِس کے باوجود آپ اپنے موقف پر مُصر رہے۔

ایک روز آپ اپنے ساتھیوں میں تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا:

"اہلِ کوفہ نے مجھے مصیبت میں ڈالا ہوا ہے اگر میں کوئی نرم حاکم مقرر کروں تو اُسے کمزور سمجھتے ہیں اگر کوئی مضبوط آدمی مقرر کروں تو اُس کا شکوہ کرتے ہیں میں اب کوئی طاقتور امین تلاش کر رہا ہوں جسے حاکم مقرر کروں۔"

آپ کے ایک ساتھی نے کہا خدا کی قسم میں آپ کو طاقتور، امانت دار مسلم بتاتا ہوں۔

عمرؓ نے چونک کر فرمایا۔ وہ کون ہے؟

اُس آدمی نے کہا۔ عبداللہ بن عمرؓ۔

امیرالمؤمنین نے اُسے جواب دیا۔ اللہ تجھے مارے تو نے یہ خدا کی رضا کی خاطر نہیں کہا۔

چنانچہ آپ نے کسی دوسرے کو والی مقرر کیا۔

ہم نے چاہا تو یہ تھا کہ عمرؓ کی اِس معجزانہ روش کو زُہد اور تقشّف کے تحت بیان کریں۔

عمرؓ بھوکے رہتے ہیں، کھانے میں سادگی ہے، پہننے میں سادگی ہے۔ اپنے اہل وعیال کو بھی اِس راہ پر چلاتے ہیں۔ ہم اِس کا نام زُہد بھی رکھ سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زُہد سے بہت دُور پرے ایک مقام ہے اور وہ ہے اپنی مسئولیت کا احترام اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں انتہائی اخلاص۔

آپ کی زندہ اور پاک ضمیر میں مسئولیت کو ایک تقدس حاصل ہے اِس لئے آپ کے سب کام مسئولیت کے تقاضوں کے تحت ہیں اور اِس میں آپ کوئی کمزوری نہیں آنے دیتے۔ اِس کے لئے ہم آپ کے عہدِ خلافت کا ایک قیمتی خطبہ پیش کرتے ہیں۔

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ میری سختی سے خائف ہیں۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی

موجودگی میں سختی کرتے تھے۔ پھر ابوبکرؓ کے زمانہ میں یہ ہم پر سختی کرتے رہے۔ اب تو معاملہ ان کے سپرد ہو گیا ہے اب کیا ہو گا؟

سُنو! جس نے یہ کہا اُس نے سچ کہا۔ مَیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خادم کی حیثیت سے تھا اور اللہ نے آپ کو صفتِ رحمت اور نرمی سے حصّہ وافر عطا فرمایا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اِس آیت کے مصداق تھے۔

"مومنین پر بہت شفقت کرنے والے اور بہت رحم کرنے والے ہیں"

مَیں آپ کی موجودگی میں ننگی تلوار تھا یہاں تک کہ خدا اِس تلوار کو میان میں کر دے یا یہ کہہ لو مجھے آزاد چھوڑ دیا کہ مَیں اپنا کام کروں ..... مَیں حضور کی وفات تک اسی حالت میں رہا۔ جب آپ کی وفات ہوئی آپ مجھ سے راضی تھے۔ مَیں اِس پر خدا کا شُکر گذار ہوں اور اِسے اپنی سعادت سمجھتا ہوں .....

پھر لوگو خدا نے مجھے تم پر والی بنا دیا۔ تمہارے معاملات میرے سپرد ہوئے۔ تو جان لو کہ وہ سختی نرم پڑ گئی۔ ہاں ظلم کرنے والوں اور زیادتی کرنے والوں پر وہ سختی ہو گی۔ لیکن سلامت روی، دینداری اور اعتدال پسندوں پر مَیں ہر نرمی کرنے والے سے زیادہ نرم ہوں گا۔

مَیں کسی کو کسی پر ظلم کی اجازت نہ دوں گا۔ جو کسی پر زیادتی کرے گا۔ مَیں اس کی رخسار زمین سے لگا دوں گا اور اس سختی کے بعد تنگدستوں، بدحالوں کے لئے مَیں اپنی رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور وہ یہ ہیں :-

جو خراج یعنی محاصل وصول ہوتے ہیں اُن میں میرا میرے حق کے سوا کچھ نہیں اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ جب وہ میرے قبضہ میں آجائے مَیں اُسے بغیر حق کے خرچ نہ کروں۔ یہ میرے ذمّہ ہے کہ مَیں تمہارے روزینے بڑھاؤں (انشاء اللہ) سرحدوں یعنی دفاع کو مضبوط کروں تمہیں ہلاکت میں نہ پڑنے دوں اور جب تم جنگ پر جاؤ تو تمہارے بچوں کی نگہداشت تمہارے واپس آنے تک باپ کی طرح کروں۔

پس خدا کا تقویٰ اختیار کرو میرے بارے میں اپنے آپ کو روکو۔ مَیں تمہیں ہمیشہ نیکی کی تلقین اور برائیوں سے روکتا رہوں گا اور ہمیشہ تمہاری خیر خواہی کرتا رہوں گا۔

یہ تقریر عمرؓ کی تقریروں میں سب سے بلیغ نہیں نہ فن کے اعتبار سے سب سے ممتاز لیکن اِس موقع پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ عمرؓ کے اعمال وکردار کا محرّک کیا تھا۔ آپ کے قدموں کو راہ راست پر کونسی چیز رکھتی تھی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بقیدِ حیات تھے تو آپ ہر باطل کے بالمقابل ننگی تلوار تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے چاہتے اِس سے مارتے۔ ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو یہ ننگی تلوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کے ہاتھ میں تھی۔ میری مراد یہ ہے کہ آپ ایک سپاہی تھے جو اپنے قائد سے مناقشہ بھی کر لیتے لیکن بالآخر آپ اطاعت گذار تھے مکمل اطاعت گذار۔

لیکن آج آپ تلوار بھی تھے، تلوار چلانے والے بھی، بیک وقت سپاہی بھی اور قائد بھی اور ہر امر میں مسئول۔ ہاں اب وہ لوگوں کے سامنے جواب دہ نہ تھے۔ نہ تاریخ کے سامنے۔ نہ اِس قسم کی اصطلاحی طاقتوں کے سامنے۔ آج وہ جواب دہ صرف اُس خدا کے سامنے تھے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ ہاں ہاں اُس بزرگ و برتر خدا کے سامنے جواب دہ تھے جس کے سامنے آپ کے دونوں صاحب جواب دہ تھے یعنی خدا کے رسولؐ اور اُس کے خلیفہ ابوبکرؓ۔

ہم نے دیکھا کہ آپ کی مسئولیت کس طرح نفس کے محرّکات اور اہل وعیال کے مطالبات کے آڑے آتی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنایا تھا اُن کے بالمقابل آپ کی مسئولیت کا کیا حال ہے۔ یہاں بھی ہم وہی منظر دیکھتے ہیں جو پہلے مشاہدہ کیا۔

آپ سمجھتے ہیں ہر آدمی کے بارہ میں، ہر عورت جو گھر کے اندر ہے، ہر بچہ جو پنگوڑے میں ہے مَیں اُن کے بارہ میں جواب دہ ہوں۔

لوگوں کے بارہ میں آپ اپنی مسئولیت یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح وہ زندگی گذار رہے ہیں آپ گذاریں۔ جب کوئی ممتاز لقمہ چُھپ کر آجائے تو آپ کہتے ہیں

مَیں بُرا والی ہوں اگر مَیں نے اچھا اور نرم کھایا اور لوگوں کے لئے ہڈیاں چھوڑیں۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ آپ کا مسلک زندہ افراد کے بارہ میں نہیں مُردوں کے بارہ میں بھی یہی تھا۔

آپ ہر ایسی آسائش سے انکار کر دیتے تھے جو آپ سے پہلے مسلمان ہونے والوں کو میسّر نہ تھی۔

جب آپ شام تشریف لے گئے اور آپ کے سامنے قسماقسم کے کھانے پیش کئے گئے تو اُسے دیکھتے ہی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ فرمایا

"یہ سب ہمارے لئے ہے۔ ہمارے کچھ بھائی اِس حالت میں اِس دُنیا سے رخصت ہوئے

کہ اُن کو جَو کی روٹی بھی میسّر نہ تھی۔"

آپ بڑے بڑے سرکشوں کو جبڑوں سے پکڑتے ہیں یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے جُھک جائیں اور کمزوروں کے لئے اپنے بازو جُھکا دیں اور اُسی وقت آپ تنگ دستوں، غرباء کے لئے زمین پر اپنا رخسار رکھتے ہیں جیساکہ ہم نے آپ کی ایک تقریر میں سُنا۔

آپ اپنی مسئولیت خود اپنے کندھوں پر اُٹھاتے ہیں دوسروں پر نہیں ڈالتے۔

اور جب آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی آپ کو کام سے آرام دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے یا آپ کی مسئولیت میں شریک ہوتا ہے تو یہ کہہ کر اُس کو روک دیتے ہیں

"کیا قیامت کے دن تُو میرا بوجھ اُٹھائے گا"

عمرؓ کی مسئولیت کا اندازہ کیجئے۔ ایک واقعہ جس کا عام آدمی کو احساس بھی نہیں ہوتا عمرؓ اُس سے کانپ جاتا ہے اور اُس پر قیاس کرتے ہوئے قانون وضع کرتا ہے۔

ایک شام مدینہ میں کچھ تاجر آئے۔ انہوں نے مدینہ سے باہر ہی خیمے لگائے۔ امیر المؤمنین عمرؓ عبدالرحمٰن بن عوف کو ساتھ لے کر قافلہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہاں پہنچے۔ رات کا آخری حصہ تھا قافلہ والے سو گئے تھے آپ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو کہا رات کا باقی حصہ ہم اپنے مہمانوں کا پہرہ دیتے ہیں۔

دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک چھوٹے بچّے کے رونے کی آواز سُنی۔ عمرؓ اس انتظار میں تھے کہ بچہ ابھی چُپ ہوتا ہے لیکن اس کا رونا کچھ طُول پکڑ گیا۔ آپ اُس آواز کی طرف گئے۔ آپ نے بچّے کی ماں کے کھانسنے کی آواز سُنی تو اُسے کہا خدا کا خوف کر۔ بچّے کو سنبھال۔ یہ کہہ کر آپ اپنی جگہ لَوٹ آئے۔ بچّے نے پھر رونا شروع کر دیا۔ عمرؓ پھر تیز قدم اُٹھا کر وہاں گئے اُس کی ماں کو آواز دے کر کہا مَیں نے تجھے کہا تھا خدا کا خوف کر اپنے بچّے کو سنبھال۔

پھر اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے۔ ایک بار پھر آپ بچّے کے رونے سے مُضطرب ہوگئے۔ آپ پھر وہاں گئے اور بچّے کی ماں سے کہا تیرا بُرا ہو۔ بہت بُری ماں ہے تُو۔ تیرے بچّے کو کیا تکلیف ہے؟

اُس عورت کو پتہ نہ تھا اُس کا مخاطب کون ہے۔ اُس نے کہا اللہ کے بندے تُو نے مجھے بڑا پریشان کیا ہے۔ مَیں اِس کا دُودھ چھڑانا چاہتی ہوں یہ ضِد کر رہا ہے۔ عمرؓ نے پوچھا دُودھ کیوں چھڑاتی ہے؟ عورت نے کہا اِس لئے کہ عمرؓ وظیفہ بچّے کو اُس وقت دیتا ہے جب وہ دُودھ چھوڑ دے۔ عمرؓ کا سانس تیز ہو گیا آپ نے پوچھا بچّے کی عُمر کتنی ہے۔ عورت نے جواب دیا چند ماہ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا دُودھ نہ چُھڑا۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف بیان کرتے ہیں اُس روز صبح کی نماز پڑھائی تو لوگوں کو آپ کی قرأت سُنائی نہ دی۔ سلام پھیرا تو فرمایا:

ہائے عُمرؓ تُو نے مسلمانوں کے کتنے بچّوں کو قتل کیا؟

پھر مدینہ میں منادی کرائی کہ بچّوں کا دُودھ چھڑانے میں جلدی نہ کی جائے ہم ہر بچّے کا روزینہ مقرر کرتے ہیں۔

اور پھر یہی ہدایت تمام والیوں کو لکھ کر بھجوادی۔

لَنْ يُصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا

چند ماہ کے جبری التواء کے بعد ہم اپنے قارئین کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم خدا کی ہر تقدیر پر راضی ہیں جن مبارک ہاتھوں سے اتنی میٹھی قاشیں کھائی ہوں اگر اُن مبارک پوروں سے کوئی تلخ قاش آجائے تو بھی اُس کا شکر کرنا واجب ہے اُخ تھو تو صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتا۔
ہاں ہمارا شکوہ اور فریاد اُس خدا کے حضور ہونی چاہیئے۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ　　　(یوسف آیت ۸۷)

کہ اُسے پکارنے والا خالی نہیں جاتا

جو ہم سے جُدا ہو گئے

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پوتے، حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے صاحبزادے مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء ہم سے جُدا ہو گئے۔ ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم کہیں وہ خدا کے حضور پہنچ گئے اور ہم وہاں پہنچنے والے ہیں۔ مرحوم کی سب سے نمایاں خوبی یہ تھی کہ ان کی زبان اکثر و بیشتر ذکرِ الٰہی سے تر رہتی اُن کی جبینِ نیاز پر اُن کی عبادت اور سجدہ ریزی کا نشان تھا۔

مرحوم سلسلہ سے محبت کرنے والے، کم گو اور صابر انسان تھے۔ بہت اچھا لکھنے والے، بہت صحیح سوچنے والے تھے۔ مسیح پاک، کے تینوں فرزندوں کے فرزند اور پوتے صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے بیٹے سعید احمد تقسیمِ ملک سے پہلے جب انگلستان اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی اُن میں سے ایک تھے۔ قیامِ پاکستان پر آپ نے ملازمت کا کافی عرصہ بنگال میں گزارا اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت آپ ایک عمدہ اور وسیع مکان وہاں چھوڑ کر کراچی آ گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم اپنی والدہ محترمہ کے بعد سب اعزہ سے پہلے انہیں جا ملے۔

ادارہ آپ کی بیگم صاحبہ، تمام اولاد، آپ کے دونوں بھائیوں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ اور کرنل صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب اور تمام خاندان حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ ان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

ماہنامہ انصار اللہ کے خریداران توجہ فرمائیں

ضیاء الاسلام پریس ربوہ بند ہوجانے کی وجہ سے ماہ جنوری و فروری ۱۹۸۵ء کے پرچے شائع نہیں ہوسکے۔ الحمد للہ اب پریس کھل گیا ہے اس لئے ماہ مارچ و اپریل ۱۹۸۵ء کا اکٹھا پرچہ آپ کی خدمت میں پیش ہے آئندہ انشاء اللہ پرچہ ماہ بماہ آپ کی خدمت میں بھجوایا جاتا رہے گا۔

ماہِ فتح / دسمبر ۱۹۸۴ء میں جن خریداران کا چندہ ختم ہوچکا تھا ان کو بذریعہ کارڈ اطلاع کر دی گئی تھی مگر جلسہ سالانہ ۱۹۸۴ء منعقد نہ ہوسکنے کی وجہ سے بیشتر دوست اپنا چندہ ادا نہیں کرسکے۔ اب جنوری سے مارچ/اپریل ۱۹۸۵ء تک کئی دوستوں کا چندہ ختم ہوچکا ہوگا ایسے دوستوں سے میری درخواست ہے کہ وہ بلا تاخیر اپنا چندہ بحساب بیس روپے سالانہ بھجوادیں۔ یہ چندہ بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ بھجوادیا جائے۔

ناظمین اضلاع کو بھی ان کے اضلاع کے بقایا داران کی فہرستیں دی گئی تھیں۔ اجلاسوں میں بھی ادائیگی چندہ کی تاکید کی جاتی رہی ہے۔ ناظمین کرام اس وقت تک جتنا چندہ وصول کرچکے ہوں براہِ کرم وہ جلد مرکز کو (تفصیل ساتھ لکھ کر) بھجوادیا جائے کہ یہ چندہ کن کن دوستوں کا ہے اور ان کا خریداری نمبر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔ آمین

مینیجر ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

مولانا نورالحق صاحب انور مربی سلسلہ

جن کی قریباً ساری زندگی خدمتِ سلسلہ میں گذری ہم سے جُدا ہو گئے۔ مرحوم کو امریکہ، افریقہ اور فجی میں داعی الی اللہ کی حیثیت میں کام کرنے کی توفیق ملی۔ ایک عرصہ تک آپ جامعہ احمدیہ جیسے موقر ادارہ سے بھی بطور استاذ منسلک رہے۔ آپ تیس سال کی عمر میں مبلغین کلاس سے فارغ ہو کر ۱۴ اگست ۱۹۴۴ء کو وقف میں آئے اور پھر ۱۹ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ساٹھ سال کی عمر پوری کر کے ریٹائر ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد صاحب بھارت میں ناظر اصلاح و ارشاد کے عہدہ جلیلہ پر متمکن ہیں۔ مرحوم کی وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ پاکستان آئے تو آپ سے بھی مل کر گئے۔ راقم الحروف سے ملے تو مولانا کی کمزوریٔ صحت کا ذکر کرتے رہے۔ مرحوم ایک عرصہ سے دل کے عارضہ سے بیمار تھے اور پھر وقتِ مقررہ پر آپ خدا کے حضور حاضر ہو گئے

ادارہ محترم مولانا کی بیوہ، بچّوں اور مولانا بشیر احمد صاحب سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

مرحوم سے میرے جامعہ کے زمانہ سے دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ رخصت ہوئے تو کئی بار یہ مصرعہ زبان پر آیا ع

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا　　نام اُس کا ہے محمّد دِلبر مِرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر　　لیک از خدائے بَرتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اِک قمر ہے　　اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدّجیٰ یہی ہے
پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اُتارے　　مَیں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے　　وہ طیّب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہُوا ہوں　　وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ عِلموں کا ہے خزانہ　　باقی ہے سب فسانہ سچ بےخطا یہی ہے

خطبہ حجۃ الوداع — انسانی حقوق کی پہلی دستاویز

ریڈیو پاکستان فیصل آباد سے ۱۰؍ دسمبر ۱۹۸۴ء کو نشر ہونے والی تقریر کا اقتباس

خطبہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ بیان کرنے کے بعد ان کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد کہا :-

یوں رنگ و نسل، قبیلہ و برادری اور زبان و مذہب کی بنیاد پر قائم کئے جانے والے تمام امتیازات ختم کر دئے گئے۔ سبھی انسان ایک سطح پر لے آئے گئے۔ عزّت و برتری کا صرف ایک ہی معیار قائم کر دیا گیا۔ جو شخص جتنا زیادہ اپنے خالق سے ڈرتا، ان کے احکامات کی پیروی کرتا اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے وہ اتنا ہی قابلِ تعظیم اور برتری و فوقیت کا حامل ہے۔

یہ انسانی مساوات اِس امر کی متقاضی تھی کہ نہ صرف روزمرّہ زندگی بلکہ قانونی معاملات میں بھی تمام انسان ایک ہی سطح پر رکھے جائیں اور تمام قوانین یکساں طور پر ہر فرد پر اس کی سماجی و سیاسی اور معاشی و معاشرتی حیثیت سے قطع نظر لاگو کئے جائیں اور قرابت داری کے حوالے سے بھی میدانِ عدل میں انسانی حقوق کو پامال نہ کیا جائے .....

انسانی حقوق کے حوالے سے خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انسان کی عزّت و تکریم اور ہر میدان میں انسانی مساوات کا اہتمام فرمایا بلکہ انسانی جان و مال اور عزّت و عصمت کے تحفّظ کو یقینی بنانے کے لئے شدید ترین ہدایات جاری فرمائیں۔

{ ماخوذ از ہفت روزہ المنبر
۲۲ تا ۲۸؍ دسمبر ۱۹۸۴ء صـ۱۰ }

○

منظوم عربی کلام حضرت اقدس

صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا اَیُّھَا الْوَرٰی

(اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجو)

دَعُوا کُلَّ فَخْرٍ لِلنَّبِیِّ مُحَمَّدٍ　　اَمَامَ جَلَالَۃِ شَأْنِہِ الشَّمْسُ اَحْقَرُ

اے لوگو! تم ہر قسم کے فخر کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہی رہنے دو۔ آپ کی جلالتِ شان کے آگے تو سورج بالکل حقیر ہے

وَصَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا اَیُّھَا الْوَرٰی　　وَذَرُوا لَہٗ طُرُقَ التَّشَاجُرِ تُؤْجَرُوْا

اور اے لوگو! آپؐ پر درود اور سلام بھیجو اور آپؐ کی خاطر جھگڑے چھوڑ دو، تم کو اس کا اجر ملے گا

وَوَاللّٰہِ اِنِّیْ قَدْ تَبِعْتُ مُحَمَّدًا　　وَفِیْ کُلِّ اٰنٍ مِّنْ سَنَاہُ اُنَوَّرُ

اور اللہ کی قسم مَیں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے اور ہر آن مَیں آپؐ کی روشنی سے ہی نور حاصل کرتا ہوں

وَفَوَّضَنِیْ رَبِّیْ اِلٰی رَوْضِ فَیْضِہٖ　　وَاِنِّیْ بِہٖ اَجْنِی الْجَنٰی وَاُنَضَّرُ

اور میرے ربّ نے مجھے آپؐ کے فیض کے باغ کے سپرد کر دیا ہے اور مَیں آپؐ کے طفیل ہی پھول چُنتا ہوں اور تر و تازگی سے بہرہ اندوز ہوتا ہوں

وَلِدِیْنِہٖ فِیْ جَذْرِ قَلْبِیْ لَوْعَۃٌ　　وَاِنَّ بَیَانِیْ عَنْ جَنَانِیْ یُخْبِرُ

اور آپؐ کے دین کے لئے میرے دِل کی گہرائی میں ایک تڑپ ہے اور میرے بیان سے میرے دل کی حالت عیاں ہے

وَرِثْتُ عُلُوْمَ الْمُصْطَفٰی فَاَخَذْتُھَا　　وَکَیْفَ اَرُدُّ عَطَاءَ رَبِّیْ وَاَفْجُرُ

مجھے آپؐ کے علوم ورثہ میں عطا ہوئے ہیں اور مَیں نے بصد احترام یہ ورثہ لیا ہے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مَیں اپنے رب کی عطا کو رد کر کے معصیت کا مرتکب ہوتا

وَمَا دِیْنُنَا اِلَّا ھِدَایَۃَ اَحْمَدَا

اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے سوا ہمارا کوئی دین نہیں ہے

فَیَا لَیْتَ شِعْرِیْ مَا یَظُنُّ الْمُکَفِّرُ

مَیں نہیں جانتا کہ میری تکفیر کرنے والا کس گمان یا وہم میں مبتلا ہے

(حمامۃ البشریٰ)